سلسلہ اشاعت بیاد مولانا فضل الرحمٰن انصاری رحمۃ اللہ علیہ

خطباتِ مولانا انصاری

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

- تفسیر سورۃ فاتحہ
- محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریح
- کلمۂ شہادت کا فلسفہ

ترتیب و تحقیق
حامد علی علیمی (فاضل جامعہ علیمیہ ریسرچ اسکالر جامعہ کراچی)

ناشر
ادارۂ تحقیق و نشریاتِ اسلامی
ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز
اسلامک سینٹر، بلاک بی، نارتھ ناظم آباد، کراچی
فون نمبر: 0213-6627021-0213-6644158
E-mail: info@wfim.org.pk

مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر

حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری قادری رحمۃ اللہ علیہ

کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ بنام

خطباتِ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ (1)

ترجمہ و تحقیق

حامد علی علیمی

(فاضل جامعہ علیمیہ اسلامیہ وریسرچ اسکالر جامعہ کراچی)

شائع کردہ:

ادارۂ تحقیق و نشریات اسلامی، ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز،

اسلامک سینٹر، بلاک بی نارتھ ناظم آباد کراچی

021-36627021, 021-36644156

Email: info@wfim.org.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: خطباتِ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ (1)

ترجمہ و تحقیق: حامد علی علیمی

طبع اول: ربیع الاول، 1433ھ، بمطابق فروری، 2012ء

ناشر: ادارۂ تحقیق و نشریاتِ اسلامی
(ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز، کراچی)

تعداد: 500

صفحات: 128

ملنے کا پتہ:

اسلامک سینٹر، بلاک بی نارتھ ناظم آباد، کراچی۔

021-36627021, 021-36644156

انتساب

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ

لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحاً

اس کوشش کو، اپنے والدین مرحومین کے نام کرتا ہوں جن کی دینی و دنیاوی تربیت کی بدولت، آج اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھ پر یہ احسان فرمایا۔

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾

ترجمہ: ("اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن (بچپن) میں پالا"۔ (سورۂ اسراء: آیت: ۲۴)

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے دین و دنیا کی بھلائیاں عطا فرمائے اور آخری دم تک ایمان و عافیت کیساتھ دینِ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العلمین!

فہرستِ موضوعات

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
1.	عرضِ مترجم، خطباتِ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ	01
2.	تعارف مولانا محمد فضل الرحمن انصاری قادری رحمۃ اللہ علیہ	04
3.	الوفاق العالمی للدعوۃ الاسلامیۃ کے مقاصد	07
4.	مولانا انصاری کے اقوالِ زریں	09
5.	علامہ اقبال کا خط مولانا محمد فضل الرحمن انصاری کے نام	10
	منظوم خراجِ عقیدت	
6.	منقبت بحضور مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ	11
7.	منقبت بحضور مبلغ اسلام ڈاکٹر محمد فضل الرحمن انصاری رحمۃ اللہ علیہ	12
8.	سخنِ انصاری	13
9.	صدائے قلب	15
	تفسیر سورۂ فاتحہ (سورۂ فاتحہ اور خلیفۃ اللہ)	17
10.	پیش لفظ	18
11.	خطبۂ مسنونہ	21
12.	رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا ثمر	23
13.	سورۂ فاتحہ اور صفاتِ باری تعالیٰ	24
14.	انعام یافتہ بندے	26

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
15.	اسلام کا مقصد	27
16.	رفاقت وہم نشینی کا معنی	28
17.	شہید وشہادت کا معنی	29
18.	فرائض کی ادائیگی کا مقصد	30
19.	جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مؤذن	30
20.	محبوبانِ خدا کی ہم نشینی کی برکات	31
21.	اللہ تعالیٰ کا بندے کے اعضاء (کی طاقت) بننے کا معنی	32
22.	اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کی تجلی	33
23.	رسول اللہ ﷺ مخلوق میں سب سے کامل خلیفہ ہیں	34
24.	غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ اور بغداد کا حاکم	36
25.	خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور جادوگر	37
26.	مولانا عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت	38
27.	اولیائے کرام کا بعد وفات دنیاوی اُمور میں تصرف	40
28.	تصرف کی تعریف اور اس کے درجات	41
29.	غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کا معجزہ	42
	مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کی تشریح	44
30.	مقدمہ	45
31.	خطبۂ مسنونہ	48
32.	موضوع کا تعارف	48

.33	درجات علم کا بیان	49
.34	حضرت حسین بن منصور حلاج کا واقعہ (حاشیہ)	51-50
.35	درجاتِ علم کی مثالیں	51
.36	قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کا مقام	55
.37	نبی کریم ﷺ کی بشریت کے معنی	56
.38	حضور اقدس ﷺ کو اسم گرامی سے نہ پکارنے کی حکمت	59
.39	رسول اللہ ﷺ ہی مسلمانوں کے لیے ذریعۂ وقار ہیں	61
.40	حضور اقدس ﷺ کے القاباتِ محبت	61
.41	مکہ مکرمہ کے قابلِ عزت واحترام ہونے کا سبب	63
.42	آیت نور و حدیث نور کی تشریح	64
.43	حدیث نور کامل (حاشیہ)	66-65
.44	بحکمِ قرآن حضور ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق ہیں	69
.45	رسول اللہ ﷺ بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ ہیں	70
.46	آدابِ حاضری دربارِ مصطفیٰ ﷺ	72
.47	مقامِ حبیب اللہ کی تشریح	74
.48	کسی مسلمان کو مشرک کہنا خطرناک ہو سکتا ہے! (حاشیہ)	75-74
.49	"الکوثر" کی تفسیر	78
.50	"شاہد" کی تفسیر	81
.51	معراج کا مقصد	84
.52	مسئلہ "علم غیب" کی تشریح	89

	کلمۂ شہادت کا فلسفہ	94
.53	عرضِ مترجم	95
.54	خطبۂ مسنونہ	98
.55	موضوع کا تعارف	99
.56	ہدایت نبوی کی جامعیت	100
.57	کلمۂ شہادت کی حکمت	100
.58	اپنے آپ کو سمجھنا	105
.59	خطبۂ الجبیل۔۔۔!	106
.60	قرآن کا قانونِ مساوات	108
.61	امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کردار	110
.62	اخلاقِ مسلمانی۔۔۔!	112
.63	رسول اللہ ﷺ سراپا اسلام ہیں	113
.64	تضمین شعر (حاشیہ)	115
.65	رسول اللہ ﷺ ہمارے اعمال سے باخبر ہیں	119

عرضِ مترجم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ ۝

خطباتِ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ علیٰ احسانہ دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا مؤثر کام ہر دور میں ہوتا رہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر آج تک بے شمار سعادت منداس خدمتِ دین کو انجام دیتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ روزِ حشر تک جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دین کی خدمت اور اس کے غلبہ کے لیے کام کرنے والوں میں قبول فرمائے، تاکہ ہم بھی دنیا وآخرت میں فلاح پانے والوں میں سے ہو جائیں۔ عجب بات ہے کہ ان سعادت مندوں کا ذکرِ خیر آج بھی کیا جاتا ہے اور ان کی خدماتِ جلیلہ کو بیان کیا جاتا ہے، یہ کیوں نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا (96)﴾ (سورۃ مریم: ۹٦) ترجمہ: "بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ان کے لئے رحمٰن محبت کر دے گا"۔

مولانا محمد فضل الرحمن انصاری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں نفوسِ قدسیہ میں سے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی خدمتِ دین مبین کے لیے وقف کر دی تھی، اسی مقصد کے پیش نظر آپ نے دنیا بھر کے پانچ کامیاب تبلیغی دورے کیے اور دین اسلام کے عالمگیر پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جنوبی افریقہ کے تبلیغی دورے (1970-1972ء)

میں مختلف مقامات پر مردوں، عورتوں اور نوجوانوں سے مختلف موضوعات پر انگریزی واردو زبان میں خطاب فرمایا، ان خطبات آپ نے ایمانیات، اخلاقیات، معاشیات وسماجیات وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر قرآن وسنت کی روشنی میں گفتگو فرمائی۔

بعد ازاں جنوبی افریقہ میں ان خطبات کو کتابی صورت میں جناب محمد یاسین صاحب اور مہدی کریل صاحب نے "Islam to the Modern Mind" کے نام سے پیش کیا۔ یہ تقریباً 22 خطبات ہیں جن میں سے اکثر آڈیو سی ڈی کی صورت میں دستیاب ہیں۔ اس کے بعد حال ہی (2011ء) میں ان خطبات کا دوسرا حصہ بنام "Islamic intellectual revival of the modern mind" جنوبی افریقہ سے شائع ہوا ہے۔ ان افراد نے یقیناً ایک بڑا کام ان خطبات کو تحریری صورت میں لا کر کیا ہے اور اس پر دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ان خطبات کا اردو میں ترجمہ کرنے کا باعث یہ بنا کہ ایک تحقیقی کام کے لیے سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مواد جمع کرنا تھا، چونکہ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر بھی فرمائی تھی لہٰذا اسے پڑھا اور اسی دوران اس کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا۔ اس کے بعد یہ عزم کیا کہ اس کتاب میں جتنے بھی خطبات ہیں سب کا ترجمہ ہونا ضروری ہے، لہٰذا توکلاً علی اللہ یہ کام شروع کیا اور آج تادمِ تحریر (فروری 12، 2012ء) تقریباً دس سے زیادہ خطبات کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ ہر ترجمہ سے پہلے اس پر کیے جانے والے اُمور کو ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ جن خطبات کی آڈیو دستیاب ہے صرف اُس ترجمے کو شائع کیا جائے گا کیونکہ خطاب یا تقریر کو تحریر میں لانا انتہائی مشکل کام ہے، مثلاً: "روکو مت جانے دو" اس جملہ کو دو طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے، "روکو، مت جانے دو" اور "روکو

مت، جانے دو"، لہٰذا جن خطبات کی آڈیو دستیاب تھیں انہیں کئی مرتبہ سُن کر لکھی ہوئی تحریر سے موازنہ بھی کیا گیا ہے۔ عموماً تحریری صورت والا خطاب، آڈیو کے مقابلہ میں مختصر ہے، بعض اہم مقامات ایسے بھی تھے جو تحریری صورت میں تو نہ تھے تاہم آڈیو میں موجود تھے لہٰذا انہیں شاملِ متن کر لیا گیا ہے، اس اختصار کے سبب کا تعین کرنا مشکل ہے۔

ان خطبات کو حسبِ منشا صاحبزادہ مصطفیٰ فاضل انصاری صاحب، "سلسلۂ اشاعت بیادِ مولانا فضل الرحمن انصاری رحمۃ اللہ علیہ" کے تحت ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز سے شائع کیا جائے گا۔ ابھی آپ کے ہاتھوں میں "خطباتِ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ" ہے، اس میں تین خطبات ہیں، ایک سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے، بقیہ دو کلمہ کی تشریح وفلسفہ پر مبنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے۔ میں تہہ دل سے ممنون وشکر گزار ہوں صاحبزادہ مصطفیٰ فاضل انصاری صاحب (زید فضلہ) اور اُن تمام احباب کا جنہوں نے اس کام کے سلسلے میں تعاون فرمایا اور مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ سب کو دونوں جہان کی بھلائیاں عطا کرے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

حامد علی علیمی

تعارف مولانا محمد فضل الرحمن انصاری قادری رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ○

مولانا محمد فضل الرحمن انصاری قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ذیل میں مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مولانا محمد فضل الرحمن انصاری قادری کی حیات وخدمات"۔

۱۔ **نام ونسب:** نام محمد فضل الرحمن بن محمد خلیل انصاری ہے، آپ کا سلسلۂ نسب میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدنا ابو ایّوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

۲۔ **ولادت وجائے ولادت:** ولادت 12 / شعبان المعظم 1333 سن ہجری بمطابق 25 / اگست 1915ء، کو جمعہ کے دن مظفر نگر، یوپی، انڈیا میں ہوئی[1]۔

۳۔ **القابات:** عظیم مفکر، مبلغ اسلام و شیخ الاسلام ہیں۔

۴۔ **تعلیم وتربیت:** حفظِ قرآن کی سند "مدرسہ اسلامیہ مظفر نگر" سے حاصل کی۔ درسِ نظامی کی تعلیم "مدرسہ اسلامیہ میرٹھ" سے اور امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت علّامہ سیّد سلیمان اشرف بہاری سے حاصل کی۔ ایف۔

---

1 تاریخ پیدائش 12 شعبان المعظم 1333ھ بروز جمعہ المبارک کے حساب سے عیسوی تاریخ 25 جون 1915ء بنتی ہے۔ اور 14 اگست 1914ء بروز جمعہ کے حساب سے 22 / رمضان 1332ھ بنتی ہے۔ جبکہ 1954ء میں حلقۂ علیمیہ قادریہ کراچی کے شائع کردہ تعارف کے مطابق تاریخ پیدائش 14 شعبان المعظم 1333ھ ہے، جس کے حساب سے عیسوی تاریخ 27 جون 1915ء، اتوار کا دن بنتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ایس۔ سی کی ڈگری "میرٹھ کالج" سے، جبکہ بی۔ ایس۔ سی اور فلسفے کی ڈگری میں علیگڑھ سے گولڈ میڈل حاصل کیا۔

۵۔ بیعت وخلافت: مبلغ اسلام سفیر چین وجاپان حضرت علامہ مولانا عبد العلیم صدیقی قادری میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے حطیم کعبہ میں آپ کو بیعت کرنے کے بعد سلسلۂ عالیہ قادریہ غوثیہ نجیبیہ علیمیہ اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ نجیبیہ علیمیہ وغیرہ سلاسل کی خلافت واجازت عطا فرمائی۔

۶۔ کتب وتصانیف:

1۔ قرآنِ حکیم کا عمرانی فلسفہ (سورۃ العصر کی تفسیر)، مطبوعہ المرکز الاسلامی، عالمی جمعیت تبلیغ اسلام، کراچی۔

2۔ اسلام اور مارکس ازم، مطبوعہ عالمی جمعیت تبلیغ اسلام، کراچی۔

3. The Beacon Light (۱۹۳۲ء)

4. The Christian World in Revolution(۱۹۳۳ء)

5. Muhammad: The Glory of the Ages(۱۹۳۵ء)

6. Islam in Europe and America(۱۹۳۵ء)

7. Muslims and Communism(۱۹۳۸ء)

8. Humanity Reborn(۱۹۳۸ء)

9. Islam(۱۹۳۸ء)

10. Trends in Christianity(۱۹۳۸ء)

11. Our Future Educational Programme (۱۹۴۴ء)

12. Ethics of the Qur'an(۱۹۴۶ء)

13. Meaning of Prayer(۱۹۴۶ء)

14. Islamic Moral and Metaphysical Philosophy

15. Communist Challenge to Islam(۱۹۵۱ء)

16. Islam versus Marxism(۱۹۵۴ء)

17. Islam and Christianity in the Modern World(۱۹۴۴ء)

18. What is Islam?(۱۹۵۳ء)

19. Foundations of Faith

20. beyond Death

21. The Qur'anic Foundations and Structure of Muslim Society (۱۹۷۳ء)

22. Which Religion

23. Islam and Western Civilization

24. Philosophy of Worship in Islam

25. Through Science and Philosophy to Religion

۹۔ تبلیغی خدمات: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جن ممالک کا تبلیغی دورہ فرمایا، اُن میں سے کچھ یہ ہیں سری لنکا، ملائشیا، انڈونیشیا، فلپائن، جاپان، کینیڈا، جنوبی افریقہ، ریاست ہائے متحدہ امریکا، ٹرینڈاڈ، ٹوبیگو، برٹش گیانا، سری نام (جنوبی امریکا)، برطانیہ، فرانس، اٹلی، مصر، اُردن، شام، عراق، عرب وغیرہ۔ اسکے علاوہ کراچی (پاکستان) میں "الجامعة العليمية الاسلامية" کی بنیاد رکھی جو اب تک چمکتا دمکتا اور سرسبز وشاداب ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت تک رہے گا۔

١٠۔ وفات: آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 11/ جمادی الاولی 1394ھ بمطابق 3/ جون 1974ء پیر کے دن صبح تقریباً دس بج کر پندرہ منٹ پر کراچی میں ہوا، نماز جنازہ مولانا سید محمد کریم الجیلانی نے پڑھائی اور بلاک بی شمالی ناظم کراچی، میں المرکز الاسلامی کی حدود میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

١١۔ اولاد واحفاد: آپ نے ایک فرزند، ایک بیوہ اور چار صاحب زادیاں یادگار چھوڑیں۔

World Federation of Islamic Missions

الوفاق العالمی للدعوۃ الاسلامیۃ (عالمی جمعیت تبلیغ اسلام)، جو ایک بین الاقوامی تبلیغی ادارہ ہے، اس ادارے کے پیش نظر حسب ذیل مقاصد ہیں:

١۔ متحدہ تبلیغی محاذ کے قیام کی غرض سے دنیا بھر کی اسلامی سرگرمیوں کو ایک رابطے میں منسلک کرنا۔

٢۔ دور دراز کے ممالک میں بسنے والے منتشر مسلمانوں کی دینی اور روحانی زندگی کو منظم کرنا۔

٣۔ پاکستان اور بیرون پاکستان میں علمائے دین کے تبلیغی دوروں کا انتظام کرنا۔

٤۔ مروجہ لادینی نظام تعلیم کو اسلامی فکر اور مزاج کے مطابق ڈھالنے کے سلسلے میں سعی کو منظم کرنا۔

٥۔ نوجوانوں کے ایک خصوصی ادارے کے توسط سے دنیا کے مسلم نوجوانوں کے درمیان اسلامی تعلیمات اور فکر کی ترویج کا انتظام کرنا۔

٦۔ خواتین کے ایک خصوصی ادارہ کے توسط سے دنیا کی مسلم خواتین کے درمیان اسلامی تعلیمات اور فکر کی ترویج کا انتظام کرنا۔

٧۔ دینی میدان میں رہنمائی کی غرض سے بلند علمی سطح پر اور موجودہ مسائل کے پس منظر میں تحقیقی کام کو منظم کرنا۔

٨۔ مختلف عالمی زبانوں میں کتابوں، کتابچوں اور رسائل کے ذریعے اسلامی ادب کی اشاعت کرنا۔

٩۔ ایسے علمائے دین تیار کرنا جو علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ سے بھی گہری واقفیت رکھتے ہوں اور نکھرے ہوئے اسلامی اخلاق کے حامل ہوں تاکہ وہ انسانیت کے ہر طبقے کی عمدگی اور وقار کے ساتھ رہنمائی کرسکیں۔

چنانچہ ساتویں اور آٹھویں مقاصد کی تکمیل کے لیے "المرکز الاسلامی ادارۂ تحقیق ونشریات اسلامی" عرصۂ دراز سے دین متین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس ادارے نے اب تک (فروری،2012ء) اردو میں 22 جبکہ انگریزی میں 29 کتب شائع کی ہیں، مجموعہ 51 بنتا ہے۔ "خطبات مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ" اسی سلسلے کی کڑی ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو جاری وساری رکھے، اس میں برکتیں عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

مولانا انصاری ؒ کے اقوالِ زریں

(A few quotes by the Great Ambassador of Islam)

1. *With regards to western Education: "As long as Muslims are clear about there Islamic values, there is no need to fear these levels of knowledge that come from a foreign source."*

2. *"What is purpose of human life but to realize the potential of khalifate-Allah."*

3. *"Once you know something is the word of Allah, whether you understand it or not, whether you comfortable with it or not, once you know it is the word of Allah, submit to it. Understanding can come later"*

4. *"O Muslims, take care before Islam becomes a memory of the past."*

5. *"Islam has raised the status of women from below the earth to so high that jannah lies at her feet".*

❁ ❁ ❁

علامہ اقبال کا خط مولانا محمد فضل الرحمن انصاری کے نام

مولانا محمد فضل الرحمن انصاری قادری ؒ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ جانا چاہتے تھے، اس سلسلے میں آپ ؒ نے 1937ء میں علامہ اقبال کو خط لکھ کر رہنمائی طلب کی تو علامہ اقبال نے یہ جواب دیا:

"جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے، فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں، جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاقِ حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لیے یورپ جانا بے سود ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

مصر جائیے، عربی زبان میں مہارت پیدا کیجیے، اسلامی علوم کی دینی اور سیاسی تاریخ، تصوف، فقہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی (ﷺ) کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ پھر اگر ذہن خداداد ہے اور دل میں خدمتِ اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے"۔[2]

---

2 اقبال نامہ، جلد دوم، ص164، بحوالہ "تاریخ ساز علامہ اقبال"، پروفیسر افتخار حسین شاہ، بیکن بکس، گلگشت ملتان، 2002ء، ص26۔

منقبت بحضور مبلغ اعظم شاہ محمد عبد العلیم صدیقی قادری میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

کلام: حامد علی علیمی

کیا بیاں ہو شان والا حضرتِ عبد العلیم
جو کہوں اُس سے سوا ہیں حضرتِ عبد العلیم
ایشیا افریقہ و یورپ جہاں پر بھی گئے
ہر جگہ پر ہے دلوں میں اُلفتِ عبد العلیم
مصطفیٰ کے دین کی خدمت کے صدقے ہوگئی
چاند تاروں سے بھی اونچی رفعتِ عبد العلیم
مسلکِ حق اہلسنت کی سدا تبلیغ کی
جانشینِ اعلیٰ حضرت، حضرتِ عبد العلیم
عمر تریسٹھ سال، طیبہ میں ہے مدفن اور وصال
اور بقیعِ پاک میں ہے، تربتِ عبد العلیم
سب عزیزوں دوستوں کو یا الٰہی! بخش دے
از پئے غوث ورضا و حضرتِ عبد العلیم
یا الٰہی! دین کی کرتے رہیں خدمت سدا
سب کے سب اصحاب وآل وعترتِ عبد العلیم
شکر کر حامد تو رب کا، فضل رحماں [1] کے سبب
ہاں تجھے بھی مل گئی یہ نسبتِ عبد العلیم

(1) یعنی: حضرت علامہ ومولانا حافظ ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن الانصاری القادری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ۔

منقبت بحضور مبلغ اسلام مولانا ڈاکٹر حافظ محمد فضل الرحمن انصاری قادری رحمۃ اللہ علیہ

کلام: حامد علی علیمی

عجب ہے مرتبہ بالا محمد فضلِ رحماں کا
کہ اب تک مثل نہ آیا محمد فضلِ رحماں کا
خدا نے دین کی خدمت کے صدقے کر دیا دیکھو
ہے کتنا مرتبہ اعلیٰ محمد فضلِ رحماں کا
گئے جس سمت دنیا میں کھلائے پھول اُلفت کے
جہاں میں اب بھی ہے شہرہ محمد فضلِ رحماں کا
"سب آؤ لوٹ کر قرآن وسنت کی طرف لوگو!"
یہ نعرہ ہر طرف گونجا محمد فضلِ رحماں کا
گلستانِ علیمیہ جو اب تک لہلہاتا ہے
یہ آخر ہے بھلا کس کا! محمد فضلِ رحماں کا
ملی نسبت "علیمی" جامعہ میں پڑھنے والوں کو
زہے قسمت یہ ہے صدقہ محمد فضلِ رحماں کا
الٰہی واسطہ عبدُ الحکیم میرٹھی ہم کو
ملے حکمت سے اک قطرہ محمد فضلِ رحماں کا
الٰہی از پئے عبدُ العلیم قادری ہم کو
عطا ہو علم سے حصہ محمد فضلِ رحماں کا
الٰہی رات دن برسے یہاں رحمت، رہے پُر نور
ہمیشہ مرقدِ والا، محمد فضلِ رحماں کا
میرے مولا دلی خواہش ہے یہ حامد علیمی کی
عطا ہو حشر میں زُمرہ محمد فضلِ رحماں کا

سخن انصاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ○

محترم استاد حامد علی مدظلہ العالی کا گہرا تعلق ایک طالب علم اور پھر ایک استاد کی حیثیت سے علیمیہ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز سے رہا ہے۔ میرے لیے یہ امر نہایت قابل ستائش ہے کہ جناب حامد علی صاحب نے اپنے تبلیغی اور تدریسی ادارہ کے بانی کی تصانیف کا مطالعہ کیا اور پھر ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ان کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے کا آغاز کیا۔ آپ نے سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر Surah al-Fatiha and the concept of Khalifatu Allah کا اردو ترجمہ بنام "سورۂ فاتحہ اور خلیفۃ اللہ" ہدیۂ قارئین کیا، پھر 2011ء میں جامعہ علیمیہ میں دستار بندی کے موقع پر ایک اور تقریر Mohammad the Prophet of Allah کا اردو ترجمہ بنام "رسول کریم ﷺ کا مقام عظیم" لوگوں تک پہنچایا۔

آج کل وہ کمربستہ ہیں کہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بقیہ تقاریر جو شیل کرافٹ (جنوبی افریقہ) سے MP3 کی کیفیت میں ریکارڈ کی گئی ہیں، ان کا ترجمہ کیا جائے، چنانچہ حسب منشا اس کام کو Ansari Memorial Series یعنی "سلسلۂ اشاعت بیاد مولانا فضل الرحمن انصاری رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے "ادارۂ تحقیق ونشریاتِ اسلامی" کے تحت شائع کرنے کا آغاز کیا جاتا ہے اور پہلی کوشش "خطباتِ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے پیش کی جاتی ہے اور آئندہ دیگر خطبات کو پیش کیا جائے گا۔

جناب حامد علی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ یہ کام کر رہے ہیں، ڈاکٹر صاحب کی تصانیف وتقاریر نہ صرف انگریزی زبان میں بلکہ اردو زبان میں بھی اس وقت کی اہم ضرورت ہیں بالخصوص آج کے تعلیم یافتہ طبقے کے لیے۔ میں نے ان کے ترجمہ کو پڑھا اور بعض مقامات پر اصلاح بھی کی ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اس کام کو قبول فرمائے اور ہمیں اس مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق بخشے۔ آمین!

مصطفیٰ فاضل انصاری

(جنرل سیکریٹری، ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز)

Phones : 9211332
9218331
9211597
Fax : 9211934
Mobile : 0300-8948095

DEPUTY SECRETARY
(IMPLEMENTATION & COORDINATION)
S.G.A & C.D
DIRECTOR (P.R.) TO CHIEF SECRETARY
GOVERNMENT OF SINDH

NAUKHAIZ ANWAR SIDDIQUI

بارہ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
Dated the 05-02-2012 229

صدائے قلب

انہیں دیکھا نہیں تنا ضرور تھا اور عقیدت کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ سرزمین میرٹھ سے انکا تعلق تھا جو میرے اسلاف کا بھی وطن ہے۔ وہ میرے تایا ڈاکٹر محمد ریحان مرحوم کے ہم عصر، ہم جماعت اور ہم عمر تھے۔ میرٹھ کالج سے دونوں نے ایف ایس سی کیا تھا، تایا تو "طب مقام" ہو گئے اور میرے ممدوح علم کی دنیا میں آگے بڑھتے چلے گئے دینیات، اقتصادیات، سیاسیات، سماجیات، طبعیات، نفسیات، فلسفہ اور نہ جانے کتنے علوم میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ جرمن زبان سمیت دنیا کی کئی زبانوں میں انہیں مہارت تھی۔

مفکر، مدبر، مبلغ اسلام، حافظ قرآن، شیخ الحدیث ڈاکٹر محمد فضل الرحمن انصاری واقعتاً عالم بے بدل اور منبع علم و عمل تھے۔ فصاحت، بلاغت اور خطابت میں ان کے دور سے آج تک بمشکل ہی ان کا کوئی ثانی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس نوعیت کے متقی، پرہیز گار اور عالم فاضل بندوں کو مخصوص ادوار میں ہی اہل دنیا کی رہنمائی کے لیے تعینات کرتا ہے۔ میں برادرم افضل حسینؔ کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس سلسلے میں خامہ فرسائی کی رغبت دلائی۔

پروفیسر حامد علی علیمی اور صاحبزادہ مصطفیٰ فاضل انصاری اس عظیم اور صاحب علم و فضل برگزیدہ ہستی کے مشن کو کماحقہ آگے بڑھا رہے ہیں۔ موخر الذکر اس نابغۂ روزگار ہستی کے ولی عہد بھی ہیں اور آج علامہ مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری کی روح پر مسرت اور

Phones : 9211332
9218331
9211597
Fax : 9211934
Mobile : 0300-8948095

DEPUTY SECRETARY
(IMPLEMENTATION & COORDINATION)
S.G.A & C.D
DIRECTOR (P.R.) TO CHIEF SECRETARY
GOVERNMENT OF SINDH

NAUKHAIZ ANWAR SIDDIQUI

بارہ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
05-02-2012
Dated the 229

مطمئن ہو گی کہ جو شمع انہوں نے روشن کی تھی اسے نسل در نسل فروزاں رکھنے کے لیے موسومہ بالا اصحاب مستعد و متحرک ہیں۔ میں بشمول مذکورین "ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز" کے جملہ عہدیداروں اور متعلقین کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ وہ کاروانِ فضل کو بخیر و خوبی آگے بڑھا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی کاوشوں کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

خیر اندیش
نوخیز انور صدیقی عفی اللہ عنہ

Sura al-Fatiha and

The Concept of Khalifat-Allah

کا اردو ترجمہ بنام

تفسیر سورۂ فاتحہ

(سورۂ فاتحہ اور خلیفۃ اللہ)

ایک سحر انگیز خطاب

مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا

ڈاکٹر حافظ محمد فضل الرحمٰن الانصاری القادری رحمۃ اللہ علیہ

(21 ستمبر 1970ء، گراسی پارک مسجد، Grassy Park، جنوبی افریقہ)

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُوَفِّقِ أَهْلِ السُّنَّةِ لِلْاِقْتِدَاءِ بِهَدْيِ الْأَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ مَصَابِيْحِ الظُّلَمِ وَهُدَاةِ الْأُمَّةِ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَامِعِ الْكَفَرَةِ وَالْمُبْتَدِعِيْنَ وَعَلٰى آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَأَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ الْكِرَامِ الْمُتَّقِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا، جو قیامت تک تمام انسانوں کے لیے ذریعۂ ہدایت وفلاح ہے، اس کی سورتوں میں ایک اہم وجامع سورت سورۂ فاتحہ ہے اس مختصر سی سورت میں گویا قرآن کریم کے مضامین کا ذکر مفصلاً یا اجمالاً ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، ربوبیت، رحمت، مالکیت، استحقاق عبادت، توفیق خیر، بندوں کی ہدایت، توجہ الی اللہ، اختصاص عبادت، استعانت، طلب رُشد، آداب دعا، صالحین کے حال سے موافقت، گمراہوں سے اجتناب ونفرت، دنیا کی زندگانی کا خاتمہ، جزاء اور روز جزاء کا مصرح ومفصّل بیان جبکہ جملہ مسائل کا اجمالاً، یہ وہ اُمور ہیں جنہیں مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس کی تفسیر میں ذکر کیا۔ حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن انصاری قادری رحمۃ اللہ علیہ نے تصور "خلیفۃ اللہ" کو بھی اسی سورت کے تحت، اپنے ایک انگریزی خطاب میں بیان کیا، چونکہ مترجم کے لیے یہ تفسیر کا ایک نیا پہلو تھا لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ اس کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تاکہ دیگر افراد بھی اس سے مستفید ہو سکیں، بحمد اللہ تعالیٰ یہ ترجمہ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ، بمطابق ۹ جولائی، ۲۰۱۰ء بروز جمعۃ المبارک مکمل ہوا۔

مولانا فضل الرحمن انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جنوبی افریقہ کے تبلیغی دورے میں، ۲۱ ستمبر ۱۹۷۰ء کو گرای پارک جنوبی افریقہ کی مسجد میں انگریزی زبان میں یہ خطاب "سورۂ فاتحہ کی تفسیر" کے تحت فرمایا تھا، لہٰذا بعد میں جنوبی افریقہ میں اس خطاب کے ساتھ ساتھ آپ کے دیگر (Audio) خطبات کو کتابی صورت میں جناب محمد یاسین اور مہدی کریل صاحب نے "Islam to the Modern Mind" کے نام سے پیش کیا۔ یہ خطاب اس کتاب کے صفحہ ۱۲۰ تا ۱۳۲ پر ہے۔

ترجمہ کرتے وقت تحریری اور ریکارڈ شدہ (Audio) دونوں ذرائع سے استفادہ کیا گیا ہے اور جو چیز دونوں میں سے کسی ایک میں زائد تھی مقدور بھر اسے برقرار رکھا گیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت جو کام کیے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حتی المقدور ترجمہ کو آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ آیاتِ قرآنیہ کو پھول دار بریکٹ میں، شاملِ متن کیا گیا ہے۔

۳۔ قرآنی آیات کا ترجمہ مشہور ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" سے کیا گیا ہے۔

۴۔ عربی عبارات (احادیث و اقوال) کو بمعہ اعراب و ترجمہ لکھا گیا ہے۔

۵۔ تسلسل عبارت میں حسن پیدا کرنے کے لیے عنوانات قائم کیے گئے ہیں تاکہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے۔

۶۔ تحریری اور ریکارڈ شدہ (Audio) خطاب دونوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۷۔ خطاب میں موجود مکرر جملوں کو شامل متن نہیں کیا گیا۔

۸۔ کتاب میں موجود اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے، مثلاً تحریری خطاب میں بعض جگہ کچھ اقوال کو حدیث قرار دیا گیا ہے جو کہ درست نہیں، جبکہ ریکارڈ شدہ (Audio)

خطاب میں اسے ایک قول ہی بیان کیا گیا ہے۔

۹۔ بعض امور کو کتاب سے حذف پایا جو کہ ریکارڈ شدہ (Audio) خطاب میں تھے، لہٰذا انہیں بھی شامل متن کر لیا گیا ہے۔

۱۰۔ بعض مقامات کی تخریج بھی حاشیہ میں کی گئی ہے۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

ان سب کوششوں کے باوجود مترجم کو اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا پورا احساس ہے لہٰذا اس ترجمہ میں جو حسن و خوبی نظر آئے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اسکے رسول مقبول ﷺ کی نظر کرم اور بزرگانِ دین و اولیائے کاملین خصوصاً مولانا انصاری اور آپ کے شیخ عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے، اور اس میں جو غلطی یا خامی نظر آئے وہ یقیناً مترجم کی طرف سے ہے اور اس سے مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بالکل بری ہے۔

آخر میں قارئین سے گذارش ہے کہ مترجم، اس کے والدین و اساتذہ اور ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز کے ذمہ داران و معاونین اور اُمتِ مرحومہ کو اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ زلّتِ فکر و قلم سے محفوظ فرما کر اصابتِ فکر و قلم عطا فرمائے، آمین! بجاہ النبی الأمین ﷺ

الراجی إلی لطف ربہ العمیمی

حامد علی علیمی غفرلہ ولوالدیہ

25 ستمبر 2010ء، بروز ہفتہ

سورۂ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان، رحم والا

"سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا، بہت مہربان رحمت والا، روز جزا کا مالک، ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں، ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا"۔

خطبۂ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَحَبِيْبَنَا وَشَفِيْعَنَا وَطَبِيْبَ قُلُوْبِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِيْ اَرْسَلَ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً وَّاِلَى الْخَلْقِ عَآمَّةً بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ[1]۔

---

1 ترجمہ: "تمام خوبیاں اللہ کو، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے بُرے اعمال سے، جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کرے اسے کوئی راہ دینے والا نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم گواہی دیتے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ شَاْنِ حَبِيْبِهٖ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝﴾[2]

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَاَنْعِمْ وَزِدْ وَتَفَضَّلْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِ السَّادَاتِ وَاَفْضَلِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَشْرَفِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَحْسَنِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَكْرَمِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَجْمَلِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَكْمَلِ الْمَوْجُوْدَاتِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْمَلٰٓئِكَةِ الْمَعْصُوْمِيْنَ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْعِبَادِ الصّٰلِحِيْنَ ۝[3]

اَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ كَلَامِهِ الْقَدِيْمِ الْعَظِيْمِ:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

ہیں کہ ہمارے سردار، ہمارے نبی، ہمارے محبوب ہمارے شفیع ہمارے (بیمار) دلوں کے طبیب اور ہمارے آقا محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں تمام انسانوں اور تمام کائنات کے لیے خوشخبری دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر قیامت سے پہلے بھیجا گیا"۔

2 ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کی شان میں فرماتا ہے: ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو! اُن پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔

3 ترجمہ: "اے اللہ درود وسلام، خوب انعام اور برکتیں نازل فرما اُن پر جو تمام سرداروں کے سردار، تمام موجودات (کائنات) میں سب سے افضل، سب سے زیادہ شرف والے، سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ عزت والے، سب سے زیادہ جمیل اور سب سے زیادہ کامل ہیں، یعنی ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ اُن پر، تمام نبیوں اور رسولوں پر، تمام معصوم فرشتوں پر اور تمام نیک بندوں پر رحمت نازل فرمائے"۔

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَبَلَّغَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْحَبِیْبُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ.

رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا ثمر:

جو آیت تلاوت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ۚ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○﴾

ترجمہ: "اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔ (سورۂ آل عمران: آیت: ۳۱)

یعنی: اے لوگو! اپنی نظریں، توجہ، دل، جذبات اور احساسات میری پیروی کرنے میں لگادو، نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا دوست بنالے گا۔ یہ آیت مسلمان کی اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کی مسلمان سے محبت کے بارے میں بتاتی ہے، اس کا کیا معنی ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم ایک سچے معبود، اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں تو ہم اس سے اپنا تعلق بھی جوڑ سکتے ہیں، ہم کسی ایسی ہستی پر ایمان نہیں لائے جس سے رحمتیں اور انعام حاصل نہیں کرسکتے، نہ ہی کسی ایسی ہستی پر ایمان لائے ہیں جو محض دُور ایک قوت یا طاقت ہے جسے ہم سے کوئی سروکار نہیں ہے، یا اگر کوئی سروکار بھی ہے تو صرف ایسا جیسا کہ ایک حاکم کو اپنی رعایا کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہیں، نہیں، ایسا نہیں ہے! اللہ تعالیٰ حاکم، خالق، بدیع (یعنی: بغیر کسی نمونے کے چیزوں کو پیدا کرنے والا) اور ہادی ہے، کائنات کی ہر چیز پر اس کا اختیار ہے، وہ بہت بلند، عظیم، لامحدود اور ہم سے بہت

مختلف ہے، ان صفات کے باوجود بھی وہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ وہ ہم سے محبت اس لیے کرتا ہے کیونکہ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اسے ایک آسان مثال سے سمجھئے کہ اگر کوئی کاریگر (آرٹسٹ) کوئی فن پارہ پوری عقیدت ومحبت سے بناتا ہے تو وہ کبھی بھی اسے کسی بھی قسم کا نقصان نہیں ہونے دے گا، اسی طرح اگر ہم کچھ بناتے یا اپنے پاس رکھتے ہیں تو اسے کسی بھی قسم کا نقصان ہونے سے بچاتے ہیں کیونکہ ہم اس میں اپنی توانائی، دل اور روح کو دخل دیتے ہیں ہمیں اس چیز سے شعوری یا لاشعوری طور پر محبت ہوتی ہے۔ پھر ہم کیسے یہ تصور کرسکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا اور اچھی صورت پر بنایا۔ جیسے کہ وہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○﴾[4]۔ مگر وہ نہ تو ہم سے محبت کرتا ہے اور نہ اسے ہم سے کوئی سروکار ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا فرمایا ہے تو یقیناً وہ اس سے محبت کرے گا اور وہ محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے تعلق، رحمت ومحبت کا ہے۔

سورۂ فاتحہ اور صفاتِ باری تعالیٰ:

قرآن مجید کی ابتدا میں بسم اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو محبت والی صفات کے ذریعہ اس طرح سے متعارف کرتا ہے کہ وہ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ (یعنی وہ نہایت مہربان اور رحم والا) ہے۔ دوسری آیت میں وہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲)﴾ (ترجمہ: "سب خوبیاں اللہ کو جو پروردگار سارے جہان کا"۔) یہاں دوبارہ ہم صفتِ محبت کو دیکھتے ہیں کیونکہ لفظِ "رب" کا معنی ہے پروردگار، پالنے والا، حفاظت کرنے والا، پرورش کرنے والا اور مقصد کی طرف رہنمائی کرنے والا وغیرہ۔ یہ

---

4 ترجمہ: "بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا" (سورۂ تین: آیت: 4)۔

"رب" کے وظائف ہیں اور یہ وظائف محبت کے بھی ہیں، پھر وہ تیسری آیت میں دوبارہ دُہراتا ہے کہ وہ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۲)﴾ (نہایت مہربان رحم والا) ہے۔ چوتھی آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (۳)﴾ (روزِ جزا کا مالک) ہے، وہ اس دن ہمارے اُن اعمال کا حساب لینے والا ہے، جنہیں ہم نے دنیا میں کیا۔ پھر وہ ہمیں اسی سورۂ فاتحہ میں بلاتا ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں پہنچیں اور اس کی رحمتیں لیں، اور وہ ہمیں تسلی دیتا ہے کہ "مجھے کسی ایسے انسان کی طرح گمان نہ کرنا جو اونچے مرتبہ پر پہنچ گیا اور اس سے رابطہ ناممکن ہو گیا ہو، باوجود اس حقیقت کے کہ میں ہمیشہ سے بلند و برتر ہوں اور یہ کہ میں تمہارا مالک و معبود ہوں، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تم میری بارگاہ میں آتے ہو"۔ مؤذن کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف روزانہ، ہر مسجد سے بلاتا ہے "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" 5 میں، مؤذن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاتا ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں پہنچیں اور خیر کا سوال کریں، اسی طرح ہمیں سورۂ فاتحہ کی پانچویں آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ○﴾ (ترجمہ: ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں)۔ ہم یہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی وفاداری کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہم باغی نہیں ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس آیت کے ذریعے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں، پھر ہم اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتے ہیں مدد کس چیز میں۔۔۔۔؟ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے ہر چیز کا سوال کریں اگرچہ بہت معمولی سی ہی ہو۔ مگر یہاں اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سکھا

5 یعنی: آؤ نماز کی طرف، آؤ فلاح کی طرف۔

رہا ہے کہ ہم اس سے اعلیٰ خواہش کا سوال کریں جبکہ ادنیٰ کو ہمارے اختیار پر چھوڑ دیا، وہ اعلیٰ خواہش آیت نمبر چھ میں ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ○﴾ (ترجمہ: "ہم کو سیدھا راستہ چلا") یعنی: ہمیں بزرگی، کامیابی، حکمت اور خوبصورتی کے راستے پر چلا۔

یاد رہے: "اِهْدِنَا" کا معنی صرف "ہمیں راستہ چلا" ہی نہیں ہے کیونکہ ہدایت کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو معنی یہ ہوتا ہے کہ اس راہ پر بھی ہماری راہنمائی فرما کہ ہم اس "مقصد" تک پہنچنے کے قابل ہوں، مقصد کیا ہے۔۔۔؟

انعام یافتہ بندے:

وہ "مقصد" سورۂ فاتحہ کی ساتویں آیت میں ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ﴾ (ترجمہ: "راستہ اُن کا جن پر تو نے احسان کیا")، کون ہیں یہ احسان و انعام یافتہ لوگ؟ قرآن مجید واضح طور پر بتاتا ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا○﴾ 6۔

(۱) وہ انعام یافتہ بندے، حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جن میں آخری نبی، رسول اللہ ﷺ ہیں۔

(۲) ان کے بعد دوسرے درجہ میں صدیقین ہیں، وہ لوگ جو اپنے افکار، اقوال و افعال میں سچائی کا پیکر ہوتے ہیں، یہ لوگ نبی نہیں ہوتے بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی "سچائی" کو اس حد تک اپنی ذات میں سمایا کہ ان میں کوئی کمی و نقص نہیں ملتا۔

6 ترجمہ: "اور جو اللہ اور اسکے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"۔ (سورۂ نساء: آیت: 69)۔

(۳) تیسرا درجہ "شہداء" کا ہے، وہ لوگ جنہوں نے حق کی خاطر، محبت سے سرشار ہو کر اپنی جانیں، اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کر دیں۔

(۴) چوتھا درجہ "صالحین" (نیک لوگوں) کا ہے، جنہوں نے اپنی زندگیاں عمدہ طریقے سے، خدائی ضابطۂ حیات کے مطابق گزاریں۔

اسلام کا مقصد:

اسلام اس لیے نہیں آیا تھا کہ اس کے ماننے والے ایسے ہوں جو صرف نام کے یا رسماً "مسلمان" ہوں کہ بعض عبادات بجالاتے ہیں، یا وہ مسلمان، کچھ عقائد کے نقطۂ نظر سے ہوں، مگر ان کی بنیاد پر یہ وہ عمل نہ کریں، جس کا تقاضا یہ عقائد کرتے ہیں۔ اسلام اس لیے آیا تھا کہ انسان کی خراب حالت کو تبدیل کرے تاکہ وہ ان مذکورہ چار درجات میں سے کسی ایک کا **"رفیق وہم نشین"** ہو سکے۔ آدمی اپنی سنگت سے پہچانا جاتا ہے، اسی لیے ان چار درجات میں سے کسی ایک کے ساتھ ہونے کے لیے، فرد کو اللہ تعالیٰ کا بندۂ صادق ہونا پڑے گا۔ کچھ لوگ اس مذکورہ آیت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ کوئی شخص ایک اچھا مسلمان بننے سے نبی بھی بن سکتا ہے۔ یہ لوگ گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ **"نبوت"** ختم ہو چکی ہے اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی مبعوث کیے گئے ہیں۔ کوئی بھی شخص اپنے "مجاہدات" (عبادات وریاضات) سے نبی نہیں بن سکتا کہ نبوت محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان خاتم النبیین ﷺ تک تمام انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئی۔

رفاقت وہم نشینی کا معنی:

بلکہ اس آیت میں مراد "رفاقت وہم نشینی" ہے، مثلاً اگر لوہے کا ایک ٹکڑا مقناطیس کے ساتھ رہے تو وہ مقناطیسی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کچھ نئی صفات حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک مالی، خوشبودار پھولوں میں رہے تو وہ ان پھولوں میں رہنے کی وجہ سے خوشبو پاتا ہے، یہ ہے معنی "رفاقت وہم نشینی" کا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے سوال کریں ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (ترجمہ: "راستہ اُن کا جن پر تونے احسان کیا")۔ میرے عزیز دوستو! موضوع بہت مشکل ہے مگر میں کوشش کر رہا ہوں کہ آپ اسے آسانی سے سمجھ لیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں اور بار بار غور وفکر کریں۔

کیا اسلام صرف اس لیے آیا تھا کہ ہم پر فرض نماز کی بے سمجھے ادائیگی مقرر کرے؟ یا ہم کچھ مذہبی رسموں (مثل روزہ ونماز) کی ادائیگی کریں اور اپنے اندر کوئی تبدیلی نہ پائیں باوجود یہ کہ نماز پڑھ چکے ہیں؟ کیا اسلام اس لیے آیا تھا کہ رمضان کے مہینے میں ہم پر روزوں کی مشقت نافذ کرے، معاذ اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہمیں مشقت میں ڈال کر خوش ہوتا ہے؟ اس نے قرآن میں واضح ارشاد فرمادیا:

﴿جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ﴾۔

(ترجمہ: "اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا اس نے تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا دین، اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تاکہ رسول تمہارا گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہی دو"۔)

(سورۂ حج: آیت: ۷۸)

شہید و شہادت کا معنی:

اللہ تعالیٰ نے اسلام اس لیے بھیجا تاکہ اس کے ماننے والے اللہ تعالیٰ کے وُجود کے گواہ بن سکیں اور اس روحانی نظم و ضبط کے گواہ جو اس دنیا میں ہے۔ شہداء، شہید، شاہد، مشاہدہ، شہود، مشہود جیسے تمام الفاظ "شَھِدَ" (بمعنی گواہی دینا) سے بنے ہیں۔ کوئی آدمی اس وقت تک (کسی چیز کا) گواہ نہیں ہو سکتا جب تک اس نے "اس چیز" کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔ کورٹ میں قاضی، گواہ سے پوچھتا ہے کہ تم جس امر کی گواہی دے رہے ہو کیا تم نے اسے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے یا یہ محض الزام ہے؟ اگر وہ گواہ کہے کہ میں نے اسے خود دیکھا اور اس کا مشاہدہ کیا ہے، تو پھر اس کی گواہی قابل سماعت ہوتی ورنہ نہیں۔

پھر انسان، کس کو اسلام کی صداقت کا "گواہ" تسلیم کرے گا؟ یقیناً اسے جو صفاتِ باری تعالیٰ کے جلووں کا دیدار کر لینے کا دعویٰ کرے اگرچہ اس نے ذات باری تعالیٰ کا دیدار نہ کیا ہو، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے افعال (صفات) کا گواہ ہے۔ جب تک کوئی شخص اس "مرتبہ" کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس نے اسلام کی اس شرط کو پورا نہیں کیا جس کے لیے اسلام آیا ہے یعنی ﴿وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (اور تم لوگوں پر گواہی دو)۔

فرائض کی ادائیگی کا مقصد:

ہمارا کام نماز اور ماہِ رمضان کے روزوں کو محض رسماً ادا کرنا نہیں ہے، یقیناً یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرائض ہیں، بلکہ ہمیں (لوگوں پر) گواہ بننے، ذاتی اور براہِ راست مشاہدۂ حق سبحانہ و تعالیٰ کے لیے انہیں ادا کرنا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہوئے ہیں۔

حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مؤذن:

آیئے تاریخ سے اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں، بغداد میں سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ اور اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے ولی سیدنا جنید رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ وَقَدَّسَ اللہُ تَعَالٰی سِرَّہٗ (۹۱۰ء/۲۹۷ھ) رہا کرتے تھے ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے کہ آپ نے اذان سنی، جب مؤذن نے "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کہا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جا کر مؤذن کو گردن سے پکڑا اور فرمایا: "تو جھوٹا ہے"، مؤذن کانپنے لگا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ حضرت سیدنا جنید رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم دین اور اللہ کے ولی ہیں، آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم نے اللہ کو دیکھا ہے تم یہ کیسے کہتے ہو کہ "میں گواہی دیتا ہوں"؟ کیونکہ گواہی دینا "ذاتی مشاہدہ" پر ہوتا ہے، اور اگر تم نے مشاہدہ نہیں کیا تو تمہارا کیا حق ہے کہ تم کہو "میں گواہی دیتا ہوں"، آپ رحمۃ اللہ علیہ جس وقت مؤذن کے پاس تشریف لائے تو اس وقت "حال" (وجد کی حالت) میں تھے (لہٰذا آپ رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی مؤاخذہ نہیں)۔ ایک دانا شخص نے، جو یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، مؤذن سے کہا: انہیں یہ جواب دو کہ میں یہ اعلان اس ذاتِ گرامی کی طرف سے کر رہا ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے، لہٰذا میں جھوٹا نہیں ہوں"۔

قرآن کریم کی اس آیت کو دوبارہ پڑھیں: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (ترجمہ: "اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا"، سورۂ آلِ عمران: آیت: ۳۱)

محبوبانِ خدا کی ہم نشینی کی برکات:

یہ تمام درجے، محبوب لوگوں کے ہیں جو حضراتِ انبیائے کرام علیهم الصلوٰۃ السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، انسان میں کیا تبدیلی آتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں (دوستوں) میں سے ہو جاتا ہے؟ یہ امر بہت اہم ہے، اسے ایک حدیثِ قدسی میں بتایا گیا جسے صحاح ستہ و دیگر کتبِ حدیث میں محدثین نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ))

یعنی: "میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قُرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے دوست بنالیتا ہوں، پس جب اسے دوست بنالیتا ہوں تو اس کے کان (کی قدرت) بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ (کی طاقت) بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ (کی قوت) بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں (کی طاقت) بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور عطا فرماتا ہوں"[7]۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ زائد الفاظ روایت کیے: ((وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَنْطِقُ بِهِ، وَقَلْبَهُ الَّذِيْ يَعْقِلُ بِهِ)) یعنی: "اور اس کی زبان (کی قوت) بن جاتا ہوں

7 ملاحظہ مشکوٰۃ المصابیح، قدیمی کتب خانہ کراچی، باب ذکر اللہ عزوجل، ص197۔

جس سے وہ بات کرتا ہے اور اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سوچتا ہے"[8]۔

اللہ تعالیٰ کا بندے کے اعضاء (کی طاقت و قدرت) بننے کا معنی:

ہم مسلمان جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لامحدود اور غیر منقسم ہے وہ کسی میں حلول نہیں کرتا، بلکہ اُس کا "آنکھ (کی طاقت) بن جانے" سے مراد یہ ہے کہ پھر کوئی چیز کائنات میں اس آنکھ سے پوشیدہ نہیں رہتی، اُس کا "کان (کی قدرت) بننے" سے مراد یہ ہے کہ پھر کائنات میں کوئی آواز اس کان سے پوشیدہ نہیں رہتی، جب اللہ تعالیٰ "پاؤں (کی طاقت) بن جائے" تو پھر کائنات میں کوئی ایسی جگہ نہیں رہتی جہاں وہ "پاؤں" نہ جا سکیں، جب وہ "زبان (کی قوت) بن جائے" تو پھر وہ زبان اگر کہے کہ ایسا ایسا ہونے والا ہے تو وہ ضرور ہوتا ہے۔

میرے عزیز دوستو! یاد رکھیے یہ ہے اسلام کا "مقصد"، جو ہمارے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ اس میں کسی قسم کے "شرک" کا نام و نشان ہے کیونکہ انسان، انسان ہی رہتا ہے اور خدا، خدا، اللہ تعالیٰ کی ذات سے کچھ بھی کم نہیں ہوتا۔ (بلا تشبیہ و تمثیل) ایک مثال سے سمجھئے Convex lens (یعنی: محدّب عدسے) میں نہ تو روشنی ہوتی ہے اور نہ ہی حرارت کہ وہ ایک بے جان اور تاریک چیز ہے۔ اس کو سورج کے سامنے کریں تو ایک چھوٹا سا سورج ظاہر ہوگا، آپ اپنی ہتھیلی یا کاغذ اس کے نیچے کریں تو وہ ہاتھ یا کاغذ کو جلانے لگے گا۔ یہ چھوٹا سورج جو ہتھیلی (یا کاغذ) پر بنا، دراصل، اصلی سورج کی شبیہ ہے اپنی شکل و عمل میں چندھیانے والی چمک کہ جس پر ہم اپنی آنکھیں نہیں جما سکتے کیونکہ یہ ان کے لیے مضر ہے، مگر اپنی حقیقت میں یہ ایسا نہیں ہے، یہ تو

8 ملاحظہ ہو معجم کبیر للطبرانی، حدیث: 7739۔

صرف ایک شبیہ ہے جو ہاتھ کی سطح پر بنی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سورج، روشنی اور حرارت رکھتا ہے، یہ چھوٹا سورج بھی، روشنی اور حرارت رکھتا ہے مگر خود سے وجود نہیں رکھتا(یعنی: قائم بالذات نہیں)، یہ حقیقی سورج کے رہنے تک رہتا ہے، جب تک حقیقی سورج، Convex lens کو غذا(روشنی وحرارت) دیتا رہے یہ مصنوعی سورج رہے گا،اور اگر Convex lens کو ہٹالیا جائے تو یہ چھپ جائے گا۔

اسی طرح وہ Convex lens، جو یہاں (ہمارے بدن میں) ہے- یعنی روحانی دل، اور یقیناً جسمانی دل بھی-اللہ تعالیٰ کی محبت اور "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں، اس لینس کے ارتکاز اور عکس کی طاقت بڑھتی ہے، یہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ (کی بارگاہ) سے نور و تابانی لیتا ہے اور اسے (اپنے اندر) جذب کرتا ہے، جیسا کہ اس بارے میں یہ کہا گیا کہ "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰه" یعنی: بندۂ مؤمن کا دل، اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور اسے لازماً ایک متحرک عرش بنانا چاہیے کہ یہ اسلام کا "مقصد" ہے۔ جب ہی یہ صفات آہستہ آہستہ باقاعدہ طریقہ سے جذب کرلی جائینگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي﴾[9] اور فرماتا ہے: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾[10]۔

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کی تجلی:

محبت طرفین میں باہمی وایک دوسرے پر منحصر ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ہم

---

9 ترجمہ: "اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ"۔(سورۂ طٰہٰ: آیت14)۔

10 ترجمہ: "تم میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کرونگا"۔ (سورۂ بقرہ: آیت152)۔

سے شدید محبت کا نتیجہ ہے کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کے ذریعہ ہمیں یہ بتایا کہ اے حبیب! میرے بندوں سے کہہ دو کہ جب وہ میری جانب ایک قدم بڑھتے ہیں تو میری رحمت ان کی طرف دس قدم بڑھ کر آتی ہے، یہ "حقیقی محبت" ہے اور وہ ہم سے بہت محبت کرتا ہے۔ یقیناً ہم میں بہت سے اس کی محبت کے لائق نہیں ہیں، یہ ہمارا اپنا "نقصانِ عظیم" ہے۔ ہم نہ تو اُسے کوئی نقصان دے سکتے ہیں نہ ہی اُس کی عظمت و بزرگی میں کچھ کمی یا زیادتی کرسکتے ہیں، وہ بے نیاز، بادشاہِ مطلق اور ہر چیز سے غنی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس راستہ کو بیان فرمایا وہ یہ ہے "تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ" یعنی: "اللہ تعالیٰ کے اخلاق (صفات) اپناؤ"۔ یہ شرک نہیں بلکہ حقیقی توحید ہے جو اپنی صحیح معرفت کا تقاضا کرتی ہے یہ کام خلیفۃ اللہ کا ہے جیسا کہ Convex lens سورج خلیفہ کا ہے۔ جب آدمی "خلیفۃ اللہ" بنتا ہے تو وہ اپنے مرتبہ،طاقت کو محسوس کرتا ہے علم نباتات میں ہر "بیج" اپنے سے نکلنے والے پودے پر مشتمل ہوتا ہے یعنی صلاحیت رکھتا ہے، اسی طرح انسان میں خلیفۃ اللہ ہونے کی صلاحیت ہے، ایک مرد یا عورت کو خلیفۃ اللہ بننے کے لیے اپنے آپ کو اسلامی ضابطۂ ہدایت کے تحت تعمیر کرنا پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ مخلوق میں سب سے کامل خلیفۃ اللہ ہیں:

اسلام اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا خزانہ ہے ہم اس لازوال خزانہ سے صرف اُس وقت فائدہ حاصل کرسکتے ہیں جب ہم محبوبِ کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں اُن سے شدید محبت کریں اور آپ علیہ السلام کے حقیقی اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے بن جائیں، ایک مسلمان حقیقی معنوں میں رسول اللہ ﷺ کی حقیقی اتباع کرنے والا

ہے اس کے سوا پھر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [11]

(آیت میں مذکور) "اُسوہ یا نمونہ" وہ چیز ہے جس کی پیروی اس جذبہ کے تحت کی جائے کہ اُس جیسا ہوا جائے، ایک نمونہ (Sample) کسی فیکٹری میں ایک بڑی پیداوار کے لیے دیا جاتا ہے تاکہ اس جیسی مزید پیداوار (پروڈکٹس) تیار کی جا سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ایک عملی نمونہ ہے اور ایک مسلمان کو پوری کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اس عملی نمونہ کی طرح اپنے آپ کو بدلے۔ وہ کیا صفات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس عملی نمونہ میں رکھا ہے؟ آپ علیہ السلام سورج کو روک سکتے ہیں، چاند کو دو ٹکڑے کر سکتے ہیں اور آپ علیہ السلام خلا کو حکم دیں تو وہ راستہ دے دیتی ہے کہ آپ علیہ السلام اپنے مالک عزوجل کے حضور پہنچ جائیں۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کامل خلیفۃ اللہ ہیں اور آپ علیہ السلام کی ذات اس چیز کو شامل ہے جسے قرآن کریم کہتا ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾

(ترجمہ: "اور تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں"۔)

(سورۂ جاثیہ: آیت ۱۳)

آپ علیہ السلام اس مہارت کے پیکر تھے اسی لیے خلیفۃ اللہ اور ایک مکمل عملی نمونہ ہیں، ہر اس شخص کے لیے جو خلیفۃ اللہ بننا چاہتا ہے۔ مگر ہم مسلمان، ایک چھوٹے سے کیڑے کی طرح ہو گئے ہیں جو زیرِ زمین آبناؤں (نالیوں) میں (دنیا سے بے خبر) رینگتا ہے،

---

11 ترجمہ: "بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے"۔ (سورۂ احزاب: آیت 21)۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اس طرح کی جہالت والا پرواہی والی زندگی گزار کر، بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے! یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ ہماری اپنی ذمہ داری ہے کہ حقیقت کو سمجھیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کی تعلیم کے لیے اسلام آیا اور ہمارے اسلاف کرام نے اس کو مانا اور اس پر عمل کیا۔

غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ اور بغداد کا حاکم:

جب ہم اپنے اسلاف کے بارے میں سنتے ہیں جیسے سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں، تو ہم حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بغداد کے حاکم نے، جو اپنی رعایا کے ساتھ نہ تو عدل و انصاف قائم کر رہا تھا اور نہ ہی سلطنت کے امور صحیح طور پر چلا رہا تھا، جب حضور سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت کا چرچہ سنا اور دیکھا کہ آپ لوگوں میں بلند مقام حاصل کر چکے ہیں تو وہ، حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو تھیلیاں اشرفیوں کی لے کر حاضر ہوا اور وہ تھیلیاں حضرت کے سامنے رکھ دیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں کیا ہے؟ حاکم نے عرض کی: یہ ایک حقیر سا تحفہ ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ کیوں لائے ہوں؟ اس نے عرض کی: حضور! یہ آپ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے لایا ہوں کیونکہ آپ روحانی بادشاہ ہیں اور میں ایک (دنیا کا) عارضی بادشاہ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اگر تم یہ مانتے ہو کہ میں ایک روحانی بادشاہ ہوں تو پھر تمہیں مادی طریقے کے بجائے روحانی طریقے سے خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہیے۔ یہ ہیں خلیفۃ اللہ جو کسی بھی دنیاوی حاکم یا بادشاہ وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور آوازِ حق بلند کر دیتے تھے۔ بہر حال حاکم نے اصرار کیا کہ غوث الاعظم شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ اس کا تحفہ قبول کر لیں جبکہ حضرت جانتے تھے کہ یہ حاکم

حقیقت سے لاعلم ہے۔ شیخ عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ) نے دونوں تھیلیوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور انہیں دبایا تو اُن سے خون بہنے لگا۔ حاکم تھر تھرانے لگا، تو حضرت غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت سے کس قدر غافل ہو کہ اپنی رعایا کا خون چوستے ہو اور وہ خون اُس شخص کے پاس لاتے ہو جسے اللہ کا بندہ سمجھتے ہو، حاکم کپکپاتا رہا جب اس کے حواس بحال ہوئے تو عرض کی: "حضور میں (توبہ کرتا ہوں اور) آپ کے حکم کے مطابق عمل کرونگا" یہ ہے خلیفۃ اللہ۔۔۔!۔

خواجہ معین الدین چشتی (رحمۃ اللہ علیہ) اور جادوگر:

سیدنا خواجہ معین الدین چشتی (رحمۃ اللہ علیہ) کو بارگاہِ رسالت ﷺ سے اذن ملا کہ اجمیر (بھارت) میں جا کر [illegible] تبلیغ کریں۔ وہاں کے ہندو حاکم نے اپنے سب سے بڑے ہندو جوگی اجے پال کو بلایا کہ وہ خواجہ صاحب سے ان کی اجمیر آمد پر ایک مقابلہ کرے۔ اس جوگی نے حضرت خواجہ معین الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کو مقابلہ کے لئے للکارا اور کہا: میں ہوا میں اُڑ سکتا ہوں، اب دیکھتے ہیں کہ ہم میں سے کون دور تک اُڑ سکتا ہے"۔ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے مسکرا کر فرمایا: "اچھا واقعی تم اُڑ سکتے ہو، اُڑو"، کہا جاتا ہے جوگی اس کے بعد ہوا میں اُڑ گیا، حضرت سیدنا معین الدین (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کھڑانووں (لکڑی کی چپلوں) کو اس کے پیچھے اُڑنے کا حکم دیا کہ اس کے سر پر ماریں اور اسے نیچے لائیں، یہ واقعہ حقیقتاً ہوا تھا۔ ہمیں یہ خیال آسکتا ہے کہ یہ ماضی کی کہانیاں ہیں اس کا کیا ثبوت ہے؟ اگر یہ تاریخ کے ثابت شدہ حقائق، من گھڑت ہیں تو پوری تاریخ من گھڑت ہے لہٰذا نہ تو اس کی تعلیم دیں اور نہ اسے سیکھیں۔

مولانا عبد العلیم صدیقی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کرامت:

آپ کو مولانا عبد العلیم صدیقی (رحمۃ اللہ علیہ) کے بارے میں بتاتا ہوں، جو ایک بہت بڑے عالم دین، مقرر اور عظیم مبلغ تھے۔ میں حضرت کے ساتھ 1949ء تا 1950ء کے دوران عالمی دورے پر تھا، مشرقِ وسطیٰ، یورپ اور شمالی و جنوبی امریکہ کا دورہ کرنے کے بعد ہم فلپائن کے مشہور شہر قتابتو (Qutabatu) گئے، فلپائن ایک ایسا ملک ہے جہاں طوفانی بارش کثرت سے ہوتی ہے، ایک شام ایک کھلے میدان میں ایک محفل کا انعقاد کیا جانا تھا، جسے مغرب کے بعد شروع ہونا تھا، ایسی محفل جس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے لیے شرکت کی اجازت تھی۔ ظہر کے بعد کالے بادل چھا گئے اور عصر تک حالات ایک بڑے طوفان کے آثار کے ساتھ خراب ہو گئے۔ ہم ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے، عصر کے بعد میں اپنے مرشد مولانا عبد العلیم صدیقی (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کچھ آرام فرما چکے تھے، ہم شام کی چائے پی رہے تھے اور وہاں حضرت کے پاس دیگر مقامی لوگ بھی آئے ہوئے تھے، میں نے اپنے مرشد سے کالے بادلوں، بجلی کی کڑک اور آنے والے طوفان کے بارے میں عرض کی، تو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور فرمایا: "میرے پیارے بیٹے تم کیوں پریشان ہو؟ ہم یہاں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے، زمین اس کی ملکیت ہے اور جو لوگ آئیں گے وہ اُس کی مخلوق ہیں، اگر وہ چاہتا ہے کہ میں اس کا پیغام پہنچاؤں، تو یہ ہو گا"۔

مغرب کے بعد ہم میدان کی طرف گئے جہاں ایک بہت بڑا مجمع انتظار کر رہا تھا، جو وہاں تقریباً تین بجے کے بعد سے جمع ہونا شروع ہو گیا تھا، صوبہ کا گورنر جو کہ

مسلمان اور صدرِ محفل تھا، وہ وہاں موجود تھا، ایک رومن کیتھولک مہمانِ خصوصی ا
دیگر مہمان بھی وہاں تھے۔ محترم المقام مولانا عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گفتگو
انگریزی زبان میں کرنا شروع کی اور ساتھ ہی ایک مترجم نے مقامی زبان میں اس
ترجمہ کرنا شروع کیا اور میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک جانب بیٹھا تھا۔ بارش کی بڑی بڑ
بوندیں گرنا شروع ہوئیں، مجمع نے بے چین ہو کر اٹھنا شروع کیا تاکہ وہ اپنے گھروں
بھاگ سکیں، اتنا بڑا مجمع جب ایک ساتھ اٹھے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کس قدر پریشانی
باعث ہو سکتا ہے، جب یہ معاملہ ہوا، اس وقت تک مولانا عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ
صرف عربی میں خطبۂ مسنونہ اور اس کے بعد ایک دو جملہ ہی ادا فرمائے تھے، میر
حیرت کی انتہا تھی کیونکہ اس وقت تک میں اُس راز کو نہیں جانتا تھا جو مولانا جا
تھے، مولانا نے فرمایا: "میرے عزیز دوستو! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بس
بارش رُکنے والی ہے، اور جب تک یہ محفل جاری ہے اس وقت تک بارش نہیں ہو
تاہم محفل ختم ہونے کے بعد آپ لوگوں کے پاس "دس منٹ" ہوں گے کہ آپ ا
گھروں کو جا سکیں، پھر ایک بہت بڑا طوفان آئے گا، براہ کرم جب محفل ختم ہو جا
مجھ سے مصافحہ کرنے کے لیے آگے نہ آئیے گا کیونکہ اس وقت مجھے ہوٹل واپس
ہے"، جب آپ نے یہ اعلان فرمایا تو بارش رُک گئی، اس کے بعد ایک قطرہ بھی بار
نہیں گرا، میں اور وہ دیگر لوگ جو آج بھی زندہ ہیں، اس کے گواہ ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ
انتہائی مطمئن انداز میں، ایک بہت ہی عمدہ خطاب فرمایا، میں پریشان تھا کہ مولانا
کیسا جرأتمندانہ اعلان کر دیا ہے گویا کہ میرے سُسر کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں
میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ آیا مولانا بھی جانتے ہیں کہ انہوں نے کیا اعلان کیا ہے؟

دوران گرج چمک ہوتی رہی، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک گفتگو کی، اس دوران مجمع آرام سے بیٹھا رہا، میں یہ سمجھا تھا کہ مولانا اس اعلان کے بعد گفتگو کچھ کم کریں مگر مولانا نے طویل گفتگو کی۔ پھر دیگر کے خطاب اور صدرِ محفل کے اظہارِ تشکر کے بعد محفل ختم ہوئی۔ لوگوں نے منچ (اسٹیج) کی طرف بڑھنا شروع کیا تاکہ وہ مولانا عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کر سکیں، تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ فرمایا: "میرے عزیز دوستو! پہلے تو آپ لوگ یہاں سے بھاگ رہے تھے اور کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آسمان میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا میں نے آپ کو آگاہ نہیں کیا تھا، خدارا! مہربانی فرمائیں، آپ کے پاس گھروں کو جانے کے لیے "دس منٹ" ہیں اور میں بھی اپنے ہوٹل جا رہا ہوں"۔

پورے دس منٹ بعد شدید طوفان آیا اور دوسری صبح کو پانی قتاہتو کی سڑکوں پر تقریباً چھ سے سات فٹ اونچا کھڑا تھا۔ اس کرامت کو دیکھ کر ہزاروں کیتھولک عیسائی، مسلمان ہوئے۔ یہ ۱۹۵۰ء میں ہوا جس کے گواہ آج بھی زندہ ہیں۔ یہ ہے **خلیفۃ اللہ!** **اور یہ ہے اسلام کا مقصد!** اسلام کا مقصد اور کام یہ نہیں ہے کہ (حقائق کو) اندھیرے میں ٹٹولا جائے، بلکہ اسلام کا مقصد اور اس کا کام یہ ہے، جس طرح ہمیں قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾

(ترجمہ: "اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے"۔)

(سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۷)

اولیائے کرام کا بعد وفات، دنیاوی اُمور میں تصرف:

یعنی وہ انہیں اندھیرے میں نہیں دھکیلتا بلکہ انہیں اُس روشنی کی طرف لاتا ہے جہاں وہ ہر حقیقت کو کماحقہ دیکھ سکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں اس ملک میں کچھ

لوگ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۷۷-۱۱۶۶ء/ ۴۷۰-۵۶۱ ھ) کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہیں، یقیناً وہ ایسا زری جہالت کی وجہ سے کرتے ہیں، اسلام کے عظیم مفکر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اب تک **"اللہ تعالیٰ کے عطا سے"** اس دنیا کے اُمور میں اس طرح تصرف فرماتے ہیں جیسے کہ وہ زندگی میں فرماتے تھے۔ جب مقصد یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ ہونے کے لیے، اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے اخلاق (صفات) کا رنگ چڑھائیں، تو پھر "تصرف" فطری عمل ہے۔

تصرف کی تعریف اور اس کے درجات:

یہ "تصرف" کس طرح ہوتا ہے؟ ایک سائنسدان بھی تصرف کرتا ہے جب وہ ہوائی جہاز، راکٹ یا مائیکروفون وغیرہ بناتا ہے، وہ ایسی چیز ایجاد کرتا ہے جو وہاں پہلے نہیں تھی۔ یقیناً یہ ایجاد، ان خصوصیات کی وجہ سے ہوتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے مادوں میں رکھا ہے، نیز اس دماغ کی وجہ سے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ مگر یہ خلیفۃ اللہ، "ایک خالق" کی طرح کام کرتا ہے، پریشان نہ ہوں، قرآن پڑھیں کہ قرآن کریم کہتا ہے: ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ [12]۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ایک "حقیقی خالق" ہے جو پیدا کرتا ہے یعنی جس نے چیزوں کو عدم سے تخلیق کیا، انسان کا کام، ثانوی حیثیت سے ایک طرح کا خالق ہونا ہے۔ انسان نے یقیناً یہ مذکورہ چیزیں، دماغ اور اُن مادوں کی مدد سے بنائی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ جب انسان دنیا میں بھیجا گیا تو پکی سڑکیں، پل اور دیگر نو ایجاد کردہ چیزیں نہ تھیں،

12 ترجمہ: "تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا"۔ (سورۂ مؤمنون: آیت 14)۔

انسان نے بطور خلیفۃ اللہ یہ سڑکیں، عمارات اور پُل تعمیر کیے، اور بغیر "تصرف" کے یہ کام کرنا ممکن نہیں کیونکہ کسی چیز کی شکل و عمل کو تبدیل کرنا "تصرف" کہلاتا ہے۔ یہ تصرف کم درجہ کا سائنس میں جبکہ اعلیٰ درجہ کا روحانیت میں ممکن ہے۔ جو لوگ خلیفۃ اللہ کی خصوصیات، روحانی اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی بندوں کے طور پر حاصل کر لیتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پھیلانے والے اور ایک ایسا آئینہ بن جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس دکھائی دیتا ہے، پھر یہ لوگ سائنسدانوں سے بڑھ کر حیرت انگیز کام کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال (1873-1938ء/ 1290-1357ھ) نے کہا ہے:

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اگر ایک شخص حقیقی معنوں میں "مؤمن" ہے تو وہ تصویر نہیں بلکہ اُس ذات کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ جیسے اقبال نے کہا:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

غزوۂ بدر میں، جبکہ کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اور انکے پاس قوت بھی زیادہ تھی نیز مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً تین سو تیرہ تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مُٹھی مٹی اٹھائی اور اُن (کفار) کی طرف پھینکی، اس کے ساتھ ہی جنگ لڑی گئی جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (ترجمہ: "اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی"۔)

(سورۂ انفال: آیت ۱۷) کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس پھینکنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔

میرے دوستو! میں نے جو کچھ بھی بیان کیا یہ وہ ہے جسے میں نے قرآنِ کریم، نبی کریم ﷺ کی سنت اور تاریخ اسلام کو پڑھ کر سمجھا ہے، جو کچھ بھی کہا گیا اس کا تجربہ کریں، اور کوشش کریں کہ زندگی اور وقت بے کار کاموں میں خرچ نہ ہو اور نہ اس کام کو کل تک ملتوی کریں۔ ابھی عہد کریں کہ آپ پوری کوشش کریں گے کہ اسلام جس عظمت کو دینے کے لیے آیا ہے وہ حاصل کرینگے، اور وہ یہ ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(نظر ثانی کا کام ۰۲ ربیع الاول، ۱۴۳۳ھ، ۲۶ جنوری، ۲۰۱۲ء بروز جمعرات مکمل ہوا۔)

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ جَمِيْعًا

Mohammad the Prophet of Allah

(May peace and mercy of Allah be upon him)

کا اردو ترجمہ بنام

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم)

کی تشریح

خطابِ دل نواز

مبلغ اسلام حضرتِ علامہ مولانا

ڈاکٹر حافظ محمد فضل الرحمٰن الانصاری القادری رحمۃ اللہ علیہ

(1970ء-1971ء، جنوبی افریقہ)

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے ہدایت انسانی کے لیے جن نفوسِ قدسیہ کو مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کی طرف مبعوث فرمایا وہ "حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام" ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض سے افضل کیا، مسلمان کے لیے ان سب پر ایمان لانا فرض ہے کہ کسی ایک نبی یا رسول کا انکار گویا تمام کا انکار کرنا ہے۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے جس ذات گرامی کو تمام جہان والوں کے لیے نبی اور رحمت بنا کر، سب سے آخر میں مبعوث فرمایا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ہیں۔

آپ ﷺ کی ذات ہی وہ پہلی ہستی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر پوری کائنات کو انہی کے نور سے پیدا کیا، یہی وہ ذات ہے جو قیامت تک کے لیے تمام مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی پانے اور شفاعت حاصل کرنے کا "وسیلہ وذریعہ" ہے، یہی ذات مدارِ دین وایمان ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس پر کتاب وسنت ناطق ہیں، حضراتِ صحابۂ کرام وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم سلف وخلف اور تمام مسلمان قائم ہیں۔

حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد فضل الرحمن انصاری قادری رحمۃ اللہ علیہ جو ایک صاحب بصیرت عالم دین ومفکر تھے، آپ نے اپنے جنوبی افریقہ کے تبلیغی دورے میں انگریزی زبان میں ایک تقریر کی، جس "محمد رسول اللہ ﷺ" کی تشریح کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی عظمت وشان کو صرف قرآن کریم کی آیات سے ایک بالکل ہی منفرد وجداگانہ انداز میں بیان کیا۔ یہ تقریر تقریباً دو گھنٹے کی تھی جس میں نبی کریم ﷺ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سچی محبت وعقیدت کے موتی ملتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقریر میں اپنی خداداد علمی صلاحیتوں سے نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں میں سے تین پہلوؤں یا مرتبوں کی وضاحت اس طرح کی ہے جو قاری کو کسی ایک جگہ میسر کم ہی آتی ہے، طرزِ استدلال اس قدر

قوی ہے کہ سننے والا قائل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ لہٰذا راقم نے جب یہ تقریر سنی تو اسے اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے کی خواہش ہوئی جو بحمدہ تعالیٰ خوش اسلوبی سے مکمل ہوئی۔

مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعۂ خطبات بنام "Islam to the Modern Mind" میں یہ تقریر، ترتیب کے اعتبار سے پانچویں نمبر پر، صفحہ ۸۰ تا ۹۶ تک ہے۔ مگر کتاب میں ریکارڈ شدہ (Audio) کے مقابلہ میں یہ تقریر صرف آدھی ہے۔ لہٰذا دونوں ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس تقریر کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جو بحمدہ تعالیٰ 27 رجب المرجب 1431ھ، بمطابق 09 جولائی 2010ء بروز جمعۃ المبارک مکمل ہوا، اس ترجمہ میں کیے جانے والے امور مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حتی المقدور ترجمہ کو آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ آیاتِ قرآنیہ کو پھول دار بریکٹ میں شامل متن کیا گیا ہے۔

۳۔ قرآنی آیات کا ترجمہ مشہور ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" سے کیا گیا ہے۔

۴۔ عربی عبارات کو اعراب کے ساتھ لکھ کر ان کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

۵۔ قاری کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے، عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔

۶۔ تحریری اور ریکارڈ شدہ (Audio) خطاب دونوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۷۔ خطاب میں موجود مکرر جملوں کو شامل متن نہیں کیا گیا۔

۸۔ اشعار کو درمیان عبارت لکھ کر ضرور تاً ان کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔

۹۔ آدھے سے زیادہ تقریر کو کتاب سے حذف پایا جو کہ ریکارڈ شدہ (Audio) خطاب میں موجود ہے، لہٰذا اس کا ترجمہ بھی شامل متن کیا گیا ہے۔

۱۰۔ بعض جگہ مفید حواشی کے ساتھ ساتھ احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

ان سب کوششوں کے باوجود مترجم کو اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا پورا احساس ہے لہٰذا اس ترجمہ میں جو حُسن وخوبی نظر آئے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اسکے رسول مقبول ﷺ کی نظر کرم اور بزرگانِ دین واولیائے کاملین خصوصاً مولانا انصاری اور آپ کے شیخ عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے، اور اس میں جو غلطی یا خامی نظر آئے وہ یقیناً مترجم کی طرف سے ہے اور اس سے مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بالکل بری ہے۔ اللہ تعالیٰ زلّتِ فکر و قلم سے محفوظ فرما کر اصابتِ فکر و قلم عطا فرمائے، آمین!

بجاہ النبی الأمین ﷺ

الراجی الیٰ لطف ربّہ العلیمی

حامد علی علیمی (غفر لہ ولوالدیہ)

21 فروری 2011ء، بروز پیر، بمطابق ۱۸ ربیع الاول، ۱۴۳۲ سن ہجری

خطبۂ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَحَبِيْبَنَا وَشَفِيْعَنَا وَطَبِيْبَ قُلُوْبِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِيْ اَرْسَلَ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَاِلَى الْخَلْقِ عَامَّةً بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ۔[1]

موضوع کا تعارف:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾ (ترجمہ: "یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا اُن میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔" سورۂ بقرہ: آیت: ۲۵۳)

---

1 ترجمہ: "تمام خوبیاں اللہ کو، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے بُرے اعمال سے، جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کرے اسے کوئی راہ دینے والا نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار، ہمارے نبی، ہمارے محبوب ہمارے شفیع ہمارے (بیمار) دلوں کے طبیب اور ہمارے آقا محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں قیامت سے پہلے تمام انسانوں اور پوری کائنات کے لیے خوشخبری دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا گیا"۔

مَیں نے گذشتہ نشست میں کلمہ طیبہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ"[2] کے پہلے حصے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" پر گفتگو کی تھی اور آج شام اس کے دوسرے حصے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" ﷺ پر گفتگو کروں گا۔ اس موضوع کی بنیاد کلمہ کے دوسرے حصے یعنی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" پر ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور ذات کا ذکر ہے، رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ آپ ﷺ کا مرتبہ کیا ہے؟ اور آپ ﷺ کی ذات اصل میں کیا ہے؟

درجاتِ علم کا بیان:

میں اس بات کو پرزور کہتا ہوں کہ یہ موضوع کلمہ کے پہلے حصہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" سے زیادہ مشکل ہے۔ اگرچہ اس پہلے حصہ کو بھی کئی لوگ درست طریقے سے سمجھ نہیں سکے جیسا کہ مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ بہت ساری غلط فہمیاں اور متضاد تشریحات اس حصہ میں یعنی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" میں خصوصاً اس مادیت زدہ دور میں کی گئی ہیں، ان لوگوں کی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" کی اپنی تشریح کے سبب مختلف فرقے وجود میں آگئے ہیں۔ میں انہیں قصوروار نہیں ٹھہراتا اور نہ ہی میں اس سلسلے میں کسی فرقے کو برا بھلا کہتا ہوں کہ فلاں مسلمان ہے یا فلاں نہیں، میں ایسی چیزوں پر یقین نہیں رکھتا، کیونکہ علم کا ایک ادنیٰ طالب ہونے کے اعتبار سے مَیں سمجھتا ہوں کہ علم کے مختلف درجات ہیں علم کی سمجھ ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے اگرچہ اسے "عالم دین" کہا جاتا ہو یا "عامی"۔

---

2 یعنی: اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، ﷺ۔

علم کی جامعیت مختلف اشخاص میں مختلف ہوتی ہے اس قسم کی غلط فہمیاں اُن لوگوں کی وجہ سے ہوتی ہیں جو مسئلہ کو اپنی تمام تر موضوعی حدود کے اندر (رہتے ہوئے) سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ ان لوگوں کی وجہ سے بھی جو کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہیں"[3] آپ انہیں یہ نہ کہیں کہ یہ لوگ بے ایمان و بددیانت ہیں، کیونکہ یہ صرف اتنا ہی دیکھ سکتے ہیں، اس سے آگے نہیں۔ یاد رکھئے! اس طرح کی بات کوئی بھی مسلمان نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ایمان کا معاملہ ہے۔ اکبر الہ آبادی نے انسان کے بارے میں اس طرح کہا- اگرچہ مرتبۂ انسان کے بارے میں بھی ہر دور میں سوال ہوا ہے کہ وہ کیا ہے؟۔

بولے منصور کہ خدا ہوں میں
اور ڈارون بولے بوزنا ہوں میں
سن کر اس کو یہ بولے میرے دوست
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

(یعنی: حضرت منصور حلاج نے کہا: "اَنَا الحَقّ"[4] اور ڈارون نے کہا: "میں بندر ہوں" جب میرے دوست نے ان دو آراء کو سنا تو کہا: "ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق سوچتا ہے"۔)

---

3 ملاحظہ ہو "تقویۃ الایمان" مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی۔

4 واقعہ کچھ یوں ہے: "حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام "منصور" کہتے ہیں، منصور ان کے والد کا نام تھا، اور ان کا اسم گرامی حسین، اکابر اہل حال سے تھے، ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبۂ ولایت و معرفت میں زائد تھیں، وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یادِ الٰہی میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا، گھر میں ہر جگہ

لہٰذا نہ منصور حلاج اور نہ ہی بیچارے ڈارون کو ان کی باتوں پر کوئی الزام دیا جائے گا کیونکہ یہ ان کا وہ تصور ہے جسے انہوں نے پیش کیا۔

درجاتِ علم کی مثالیں:

یقیناً علمی میدان میں ایک خاص درجہ کسی چیز کے مقصد کا علم ہوتا ہے جیسا کہ ہمیں فلسفہ میں پڑھایا جاتا ہے اور جسے میرے ایک دوست نے اورینٹ کلب یا اورینٹ ہائی اسکول میں بتایا تھا، ایسا نہیں ہے کہ تمام علم متعلقہ ہوتا ہے، اگر ہر کسی کا علم، ہر چیز کی تشریح و توضیح کے بارے میں اسی طرح ہو تو پھر نہ کوئی مذہب ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ایمان! آپ کہیں نہیں جا سکتے اور لازماً (علمی میدان میں) ایک ایسا

تلاش کیا، پتہ نہ چلا، ان کو وسوسہ گزرا، دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اٹھ کر چلیں، یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہو لئے دیکھتے رہے، آسمان سے سونے کی زنجیر میں یاقوت کا جام اترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آگا، انہوں نے پینا شروع کیا، ان سے صبر نہ ہو سکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اٹھے کہ بہن! تمہیں اللہ کی قسم کہ تھوڑا میرے لئے چھوڑ دو، انہوں نے ایک جرعہ (گھونٹ) چھوڑ دیا، انہوں نے پیا، اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در و دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ "کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے؟" انہوں نے کہنا شروع کیا "انا الاحق" بیشک میں سب سے زیادہ اس کا زیادہ سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا "انا الحق" (میں حق ہوں)، وہ دعویٰ خدائی سمجھے اور یہ کفر ہے اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالسِّتَّةُ إِلَّا مُسْلِماً عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ أعلم۔" (امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، ج ۲۶، ص ۴۰۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور)۔

"معیار" بھی ہوتا ہے جس سے مختلف آراء کو پرکھا جاتا ہے، جو لوگ ناکافی علم رکھتے ہیں انہیں ان کی کم علمی کی وجہ سے معاف کر دینا چاہیے اور اس کو ہرگز جھگڑوں اور گروہ بندی کی بنیاد بنا کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑنا نہیں چاہیے۔ آپ دیکھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی آراء کے درجات مختلف ہیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے فلاں صاحب سے اس قسم کی بات سنی ہے جو یقیناً شانِ رسالت میں گستاخی ہے، یہ لوگ اسی طرح ہمارے ملک میں بھی گفتگو کرتے ہیں۔ مگر جو حضرات علم کے بلند مرتبہ پر ہیں اُن (کے اقوال) کا جائزہ بھی لینا چاہیے میں پہلے امر (درجاتِ علم) کی وضاحت، ایک کتاب کی مثال کے ذریعے کرتا ہوں:

۱۔ ایک شخص صرف کتاب کے حروفِ تہجی سمجھتا ہے جن میں وہ کتاب لکھی گئی ہے فرض کریں وہ کتاب انگریزی میں ہے یا اردو میں یا گجراتی میں یا کسی اور زبان میں۔ یہ اس کتاب کے بارے میں اس شخص کے علم کی انتہا ہے۔

۲۔ ایک دوسرا شخص جو حروفِ تہجی جاننے کے ساتھ ساتھ اس زُبان کی بنیادی معلومات بھی رکھتا ہے، جس زبان میں وہ کتاب لکھی گئی ہے، مثلاً یہ شخص کتاب کے مختلف اجزا کا ترجمہ بہتر طور پر کر سکتا ہے۔

۳۔ ایک تیسرا شخص جو نہ صرف حروفِ تہجی اور زُبان کو جانتا ہے بلکہ وہ اس موضوع کو بھی جانتا ہے جس پر وہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس شخص کا کتاب کو سمجھنا گذشتہ دونوں اشخاص کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہو گا۔

۴۔ پھر ایک چوتھا شخص جو نہ صرف حروفِ تہجی، زبان اور موضوع کو جانتا ہے بلکہ وہ موضوع کے اندر نظم ترتیب اور پس منظر بھی جانتا ہے، اس کا علم گذشتہ تینوں اشخاص سے زیادہ بہتر ہوگا، وَعَلیٰ ھٰذَا الْقِیَاس۔

یا مثلاً ایک شخص زمین کے مناظر پہاڑ کے دامن سے دیکھتا ہے، دوسرا کچھ اونچائی پر جاکر، تیسرا مزید اوپر جاکر، چوتھا مزید اوپر جاکر اور پانچواں شخص پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو کر یہ مناظر دیکھتا ہے، لہٰذا پہاڑ کے دامن سے دیکھنے والے شخص کے خیال کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کیونکہ بے چارہ اتنا ہی دیکھ سکتا ہے جتنا پہاڑ کے دامن سے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ شخص جو کچھ اونچائی پر ہے مگر تیسرے والے سے نیچے ہے، آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جھوٹا ہے کیونکہ وہ بھی اتنا ہی دیکھ سکے گا جتنا وہاں سے دیکھا جا سکتا ہے، خدارا! اس نکتہ کو سمجھئے، میں آج رات یہ اس لیے نہیں کہہ رہا کہ آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے یا شر انگیزی کا سبب بنے، میں اللہ تعالیٰ کے گھر (مسجد) میں یہ بات نہایت نیک نیتی سے کہہ رہا ہوں اور مجھے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور حساب دینا ہے، میں کسی کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

لیکن میں جانتا ہوں کہ بد قسمتی سے "علماء" میں کچھ ایسے (نام نہاد) بھی ہیں جو صرف شر کے لیے گفتگو کرتے ہیں۔ میں کوئی پیشہ ور عالم یا پیر نہیں اور نہ ہی میں کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہوں، میں صرف ایک "جماعت" سے تعلق رکھتا ہوں اور وہ دین اسلام یعنی "رسول اللہ ﷺ کی جماعت" ہے۔ لیکن مجھے خود دیانت دار ہونا چاہیے اور آج میری عمر ۵۶ سال سے زائد ہے، میں چار سال، چار ماہ اور چار دن کی عمر سے طالب علم ہوں اور مجھے اس علمی میدان میں نصف صدی سے زیادہ ہو چکا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میں

اس علمی میدان سے گذشتہ نصف صدی سے صرف دینِ اسلام کو سمجھنے کے لیے وابستہ ہوں اور اس زمانہ میں جو کچھ علم حاصل ہوا وہ اسی نقطۂ نظر سے دوسروں کو دے رہا ہوں نہ کہ کسی سیاسی نقطۂ نظر سے، میں کبھی سیاست میں نہیں رہا میرا طرزِ زندگی (career) بالکل واضح ہے جسے ہر شخص جانتا ہے، میں بہت سے ممالک میں رہا مگر طرزِ زندگی سے کبھی سیاست میں شامل نہیں ہوا۔

مگر جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہر شخص چیزوں کو اپنے نقطۂ نظر، ادراک، تصور اور سمجھنے کی قوت کے مطابق سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کچھ لوگوں کو یہ کہتا ہوا پائیں گے کہ "رسول اللہ ہماری طرح کے انسان تھے" (والعیاذ باللہ تعالیٰ)، اور یہ ان لوگوں کی علمی انتہا ہے۔ مگر آپ کسی بڑے دانشور جیسے ڈاکٹر محمد اقبال (1873-1938 AD 1290-1357AH)، بیسویں صدی کے بے مثال شاعرِ اسلام جن سے پہلے جلال الدین رومی کے سوا کوئی ان کا ہمسر نہیں ہوا، ان کو نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ کہتا ہوا پائیں گے:۔

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰس وہی طٰہٰ

یٰس وطٰہٰ کا معنی کوئی نہیں جانتا میں اور آپ بھی نہیں، اس کا معنی محب جانے اور محبوب، یہ ایک پیامِ محبت ہے۔

ایک اور عظیم شخصیت نے اس طرح کہا:۔

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل

خواص اُس برزخِ کُبریٰ میں تھا حرفِ مشدّد کا[5]

ہر شخص اپنی سمجھ، مرتبہ اور علمی فہم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، ایسی بڑی شخصیات تو یہ کہتی ہیں! میں نے علم کے مختلف درجات کے بارے میں جو کہا، اسے یاد رکھیں کہ درجاتِ علم کے بارے میں بہت عمدہ بات ہے۔

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کا مقام:

قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس کے بارے میں دو مختلف رائے نہیں ہو سکتیں، یہ قرآن، نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارکہ سے لے کر آج تک بغیر کسی حرف یا نقطہ کی کمی بیشی کے صحیح سالم ہے، حدیث شریف کے بارے میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں یہ حدیث، فلاں وجہ سے قبول نہیں کرتا، مگر قرآن کریم کی آیت کے بارے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا۔ میں آپ کو قرآن کریم سے نبی کریم ﷺ کی ذات کے بارے میں بتاتا ہوں۔ قرآن کریم کے مطابق نبی کریم ﷺ کے دو مقام و مرتبے ہیں:

(۱) پہلا آپ ﷺ کی ذات کا آفاقی یا کائناتی (Cosmic) پہلو ہے۔

اور (۲) دوسرا دُنیاوی (Mundane) پہلو ہے۔

---

[5] یعنی: نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ایک ایسا وسیلہ وذریعہ ہیں گویا جیسے (بلا تشبیہ وتمثیل) تشدید والا حرف ایک طرف تو اپنے سے پہلے والے حرف سے اور دوسری طرف اپنے بعد والے حرف سے ملا ہوا ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝﴾[6] یعنی: اے حبیب! جب تم زمین اور انسانیت سے دور جاتے ہو تو آفاقی مرتبہ پر ہوتے ہو، آپ ﷺ تمام کائنات کے لیے رحمت ہیں اور یہی آپ ﷺ کا آفاقی پہلو ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بشریت کا معنیٰ:

آپ ﷺ کے دنیاوی مقام کو قرآن یوں بیان کرتا ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (ترجمہ: "تم فرماؤ میں ظاہر صورتِ بشری میں تو تم جیسا ہوں۔" سورۂ کہف: آیت: ۱۱۰)۔

اب اس مقام کی شرح کرتے ہوئے کئی لوگوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں یاد رکھیے! اس آیت کا ترجمہ کرنے کے دو طریقے ہیں ایک کفر کا، جبکہ دوسرا ایمان کا۔ کچھ نے اس کا ترجمہ "میں تمہاری طرح کا انسان ہوں" کیا ہے جو کفر کی طرف لے جاتا ہے، اگر کوئی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری یا فلاں کی طرح کے انسان ہیں تو وہ کافر ہے، وہ قرآن وسنت پر ایک بہتان عظیم لگا رہا ہے کیونکہ کوئی انسان بھی رسول اللہ ﷺ جیسا نہیں ہو سکتا۔

نیز ان لوگوں کا کیا مطلب ہوتا ہے جب وہ اس آیت کا ترجمہ اس بُرے طریقے سے کرتے ہیں! کس کی طرح؟ قاتل، زانی، ڈاکو یا مجسم شیطان کی طرح؟ (معاذ اللہ) کیونکہ انسانوں میں تمام قسم کے انسان ہوتے ہیں، کس کی طرح؟! ایسا ترجمہ کرنے کا یہ انتہائی احمقانہ طریقہ ہے۔ نیکوکاری میں وہ کونسا "معیاری شخص" ہے، جس کے ساتھ تم رسول اللہ ﷺ کا موازنہ کرتے ہو جب یہ کہتے ہو کہ "وہ ہماری طرح

---

[6] ترجمہ: "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے" (سورۂ انبیاء: آیت: 107)۔

ہیں" یا یہ کہ "وہ صرف ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہیں!" یہ روش یہودیوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک عظیم شخص سے زیادہ تصور نہیں کرتے۔ کیا تم رسول اللہ ﷺ کو اپنی طرح یا اپنے سے ذرا بہتر تصور کرتے ہو؟ یقیناً ایسا نہیں! اس آیت میں جو راز مضمر ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی "بشریت" پر زور دینا ہے تاکہ آپ ﷺ کی معجزانہ قدرت کو دیکھ کر مسلمان کہیں حیرت میں نہ پڑ جائیں جیسا کہ دیگر لوگ (یہود و نصاریٰ) حیرت میں پڑ گئے تھے اور کسی بھی معنی میں کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ آپ ﷺ انسان نہیں بلکہ "خدا" ہیں، اس آیت میں آپ ﷺ کی "الوہیت" (خدا ہونے) کی نفی کی گئی ہے نہ یہ کہ وہ ہماری طرح ہیں، کون اُن کی طرح ہو سکتا ہے!

ہاں یقیناً آپ علیہ السلام بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں، جن لوگوں نے طبیعات (Physics) اور طبیعی علوم (Physical Sciences) پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کوئلہ خالص کاربن [7] ہے اور ہیرا بھی خالص کاربن ہے، جدید سائنس کے مطابق یہ صرف مالیکیولز (ذراتِ سالمہ) کے ارتعاش کی کثرتِ وقوع کی حرکت ہے جو انہیں مختلف کر دیتی ہے ورنہ حقیقتاً بنیادی طور پر دونوں خالص کاربن ہی ہیں۔ میں یہاں کھڑا ہو کر کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ بشر ہیں اور میں بھی بشر ہوں، میں کوئلہ کی طرح ہوں اور آپ ﷺ ہیرے کی طرح، اس طرح یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

کیا کوئی اپنے ہیرے کا تبادلہ اگرچہ نصف قیراط ہی ہو، سینکڑوں کوئلے کی بوریوں کے عوض کرے گا؟ ہر گز نہیں! اگرچہ دونوں کی اصل ایک ہی ہے مگر دونوں

7 کاربن ایک غیر دھاتی عنصر ہے جو ہیرے، گرے اور کوئلے کی صورت میں ملتا ہے۔

کا لون و وجود الگ الگ ہے، دونوں کی قدر و قیمت میں زمین آسمان کا فرق ہے، دونوں کی ظاہری صورت مختلف ہوتی ہے کوئلہ کالا ہوتا ہے جبکہ ہیرا چمکتا ہوا روشن۔ آپ کے پاس ایک ٹکڑا ہیرے کا ہو اور ایک کوئلہ کا، دونوں کا برابر وزن کر کے فروخت کریں قیمت میں بڑا واضح فرق ہو گا اگرچہ یہ دونوں کاربن ہیں۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ بشر ہیں ہیں اور آپ بھی بشر ہیں مگر ہم میں اور نبی کریم ﷺ میں مقام و مرتبہ، طاقت و قدرت اور آپ ﷺ کی آفاقی شخصیت کے اعتبار سے، زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ کس قسم کی بچکانہ باتیں ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے!

اب رسول اللہ ﷺ کا مقام، دنیاوی پہلو کے نقطۂ نظر سے دیکھیں جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے دو پہلو ہیں ایک آفاقی اور دوسرا اس دنیا کے اعتبار سے۔ ہم آپ ﷺ کے مقام کو ایک مقدس پیغمبر کے طور پر سمجھنے کی کوشش کریں، قرآن کریم کے مطابق ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ [8] یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک، مختلف قوموں میں اپنے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اِن انبیاء و رُسل علیہم السلام کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا اور وہ اپنے حبیب کے ساتھ کیا معاملہ فرماتا ہے؟ کوئی نبی یا رسول، مقام و مرتبہ میں آپ ﷺ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ آپ یہ چیز یاد رکھیں کہ یہ دلائل قرآن کریم کی بہت واضح آیات سے ہیں کوئی تفسیر یا تشریح نہیں۔

8 ترجمہ: "اور ہر قوم کے ہادی" (سورۂ رعد: آیت: 7)۔

حضورِ اقدس ﷺ کو اسمِ گرامی سے نہ پکارنے کی حکمت:

قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی ہیں اور اسی طرح حضرت نوح و حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی انبیاء ہیں، آپ پورے قرآن کریم کو پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ ان انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی کو مخاطب فرماتا ہے تو انہیں ان کے نام ہی سے مخاطب فرماتا ہے جیسے: ﴿یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (اے آدم!۔۔۔) ﴿یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا﴾ (اے ابراہیم!۔۔۔) ﴿یٰمُوْسٰى﴾ ﴿یٰعِیْسٰى﴾ وغیرہ، ہر جگہ انہیں ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن کریم میں کہیں پر ایک مرتبہ بھی نام نامی سے مخاطب نہیں فرمایا۔ کیا یہ بے معنی ہے؟ کیا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بے معنی بات کی نسبت کرسکتے ہیں؟ یاد رکھیے! یہ محض اتفاقاً نہیں ہوا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے مرتبہ کی عظمت اور اس کی بارگاہ میں اُن کے تعلق خاص کو بیان کرنا چاہتا ہے۔

میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ ہم کسی شخص کو اس کے نام سے کیوں نہیں پکارتے؟! اس کی صرف دو وجوہات ہیں: ۱) شدید محبت یا ۲) بہت عزت۔

مثلاً ایک مہذب شخص کم از کم اپنے والد کو عزت کی وجہ سے نام لے کر نہیں پکارے گا کہ اے فلاں! یہاں آؤ۔ لوگ اپنے بچے کا عقیقہ کرتے وقت اسلامی نام رکھتے ہیں مثلاً: اسماعیل یا حسن وغیرہ، مگر گھر میں اُس (لڑکے یا لڑکی) کا ایک عرفی (چہیتا) نام بھی رکھتے ہیں اور اسی نام سے بچے (یا بچی) کو پکارتے ہیں، نہ کے اس نام سے جو عقیقہ کے وقت رکھا گیا تھا، کیا یہ معاملہ ایسا ہی نہیں ہے؟! یہاں اللہ تعالیٰ یہ واضح فرماتا ہے کہ وہ

اپنے مکرم رسول سے شدید محبت کرتا ہے اور اسی وجہ سے اپنے رسول کو اس طرح مخاطب نہیں فرمانا چاہتا جس طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو مخاطب فرمایا، یہ بات واضح ہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کریں، اللہ تعالیٰ یہ واضح فرما رہا ہے کہ جب وہ اپنے رسول کو اس کے نام سے مخاطب نہیں فرماتا تو تم بھی ان کی تعظیم میں اس پر عمل کرو۔

یاد رکھیے! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○﴾ (ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔" سورۂ حجرات: آیت: ۲) یعنی: ذرا سی بے احتیاطی سے تمہاری زندگی بھر کی عبادات مثل نماز، روزہ اور صدقات وغیرہ تباہ ہو جائیں گی اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی کہ تمہارے زندگی بھر کے نیک اعمال تباہ کر دیے گئے ہیں۔

یہ کونسا مقام ہے؟! آپ اس توہین کو تو معاف کر سکتے ہیں جو آپ کے ساتھ کی گئی ہو مگر وہ توہین معاف نہیں کر سکتے جو آپ کے "پیارے" کے ساتھ کی گئی ہو، یہ ہے "قانونِ محبت"۔ خبردار! خبردار! عارفین فرماتے ہیں:۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(یعنی: رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ، اس آسمان کے نیچے ایک ایسی عزو شرف والی جگہ ہے جو عرش سے بھی نازک ہے، یہاں جنید اور بایزید جیسے عاشقانِ رسول بھی مارے ادب کے سانس تک لینا بھول جاتے ہیں۔)

رسول اللہ ﷺ ہی مسلمانوں کے لیے ذریعہ وقار ہیں

مسلمانوں کو کیا سکھایا جا رہا ہے؟ مسلمان اپنا ذریعہ وقار کھو چکے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وقار حاصل کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات کو ذریعہ وقار بنایا ہے اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں۔ میں آپ کو قرآن کریم سے بتاتا ہوں اسے ذہن نشین کریں کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے مختلف انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام، انسانوں میں سب سے اعلیٰ مرتبے پر ہیں اور ان تمام میں سب سے نمایاں مرتبے پر رسول اللہ ﷺ ہیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کے القاباتِ محبت

کچھ مقامات پر آپ ﷺ کو ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ (اے غیب بتانے والے!) ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ (اے رسول!) سے خطاب کیا گیا ہے یہ القابات آپ علیہ السلام کے فرضِ منصبی کے اعتبار سے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ ایک اور حیثیت سے اپنے حبیب سے خطاب کرتا ہے وہ فرماتا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۝﴾ (اے جھرمٹ مارنے والے!) ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝﴾ (اے بالاپوش اوڑھنے والے!) یہاں بھی آپ اس کا معنی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ایک قربِ خاص کو ظاہر کرتا ہے۔ مؤخر الذکر دونوں خطابات اول الذکر خطابات سے زیادہ اعلیٰ ہیں۔ پھر اس سے آگے ایک اور منزل ہے ﴿یٰسٓ۝ وَالْقُرْاٰنِ

الْحَكِيْمِ۝﴾ (ترجمہ: ”حکمت والے قرآن کی قسم“) لفظ ”یٰسٓ“ کا کیا معنی ہے؟ ہم لفظ ”الْمُزَّمِّلُ“ اور ”الْمُدَّثِّرُ“ کا معنی سمجھ سکتے ہیں:۔

فردہ بہ فردہ ہیں نہاں پردہ نشیں تر ازیں

(یعنی: محبت کے حجابات ہیں اور باہر والے اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔)

یہ تیسرا مقام ہے ﴿یٰسٓ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝﴾ (ترجمہ: ”حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم رسولوں میں سے ہو“)۔ مگر ”یٰسٓ“ کا کیا معنی ہے؟ اس کا معنی محب و محبوب کے درمیان ایک راز ہے۔

پھر آپ علیہ السلام کو ﴿طٰهٰ﴾ کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، ”طٰهٰ“ کا کیا معنی ہے؟ ہم نہیں جانتے کیونکہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حروفِ مقطعات ہیں، اور کسی کو ان کے معانی ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ اِن کا معنی جانے اور اس کا حبیب ﷺ۔

لیکن ہم اس خطاب طٰہٰ سے محسوس کر سکتے ہیں جو اس کے بعد آرہا ہے کہ ﴿طٰهٰ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى۝﴾ یہ آدابِ محبت سے ہونا چاہیے کیونکہ اس کے بعد ایک پیغامِ محبت دیا جا رہا ہے کہ ”اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نہ اُتارا کہ تم مشقت میں پڑو، ہاں اس کو نصیحت جو ڈر رکھتا ہو۔“ (سورۂ طٰہٰ: آیت: ۱-۳)۔ یہ کلامِ محبت ہے لہٰذا ہم اس سے ایک بات سمجھ سکتے ہیں کہ ”طٰہٰ“ کا معنی اگرچہ ہمیں نہیں معلوم مگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک پیغامِ محبت ہے۔ یہ ہے آپ علیہ السلام کا تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مقام، سب سے اعلیٰ وارفع!

مکہ مکرمہ کے قابلِ عزت واحترام ہونے کا سبب

میں آپ کو ایک چیز اور بتاتا ہوں کہ نہ صرف آپ ﷺ کی ذات قابلِ عزت واحترام ہے بلکہ جس خاک پر آپ ﷺ چلے وہ بھی قابلِ عزت بن گئی ہے، یہ بات میں نہیں کہتا بلکہ قرآن کہتا ہے: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝﴾ ترجمہ: "مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔" (سورۂ بلد: آیت: ۱۔۲) یعنی اس لیے نہیں کہ اس شہر مکہ میں کعبہ شریف ہے بلکہ اس لیے کہ اے محبوب! تم اس میں تشریف فرما ہو۔ مفسرین کرام کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قسم ارشاد فرماتا ہے تو اس کا مقصد لوگوں میں اس چیز کی اہمیت کو بلند کرنا ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کی عزت واحترام کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "مجھے اس شہر مکہ کی قسم"۔ لوگ سوچیں گے کہ آج کل کئی لوگ بہت زیادہ مسلمانوں کو اس چیز کی تبلیغ کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ "کعبہ، رسول اللہ ﷺ سے افضل ہے لہٰذا کعبۃ اللہ جاؤ اور مدینہ شریف نہ جاؤ ورنہ تم مشرک ہو جاؤ گے"۔

یہاں اللہ تعالیٰ اس چیز کو واضح فرما رہا ہے کہ میں رب تبارک وتعالیٰ ہو کر یہ قسم ارشاد فرما رہا ہوں کہ میں نے مکہ کو شرف والا شہر بنایا ہے اس لیے نہیں کہ وہاں کعبہ ہے بلکہ اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم! ﴿وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝﴾ (ترجمہ: "تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔") یہ قرآن کریم کا ارشاد ہے، نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات قابلِ عزت وتکریم ہے بلکہ اس خاکِ پاک کے وہ ذرات جو نبی کریم ﷺ کے مبارک تلووں سے لگے وہ بھی قابلِ عزت وتکریم ہو گئے ہیں۔ یہ کون کہہ رہا ہے؟ کوئی انسان نہیں کہہ رہا! بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے۔

آیت "نور" وحدیثِ "نور" کی تشریح:

آیئے پھر آپ ﷺ کے آفاقی مرتبہ کی طرف چلتے ہیں جسے میں نے قرآن کریم کی اس آیت سے بیان کیا تھا کہ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (ترجمہ: "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔ سورۂ انبیاء: آیت: ۱۰۷) میں ایک اور آیت بیان کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ ترجمہ: "بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب" (سورۂ مائدہ: آیت: ۱۵) یہاں آیت مبارکہ میں "واو" عطف (conjunction) کے لیے ہے لہٰذا یہاں "نُوْرٌ" ایک الگ چیز ہے اور "كِتٰبٌ" ایک الگ چیز، یہ دو چیزیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کلام فرما رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مفسرین کرام کی اس سلسلے میں یقیناً مختلف آراء ہیں کچھ کہتے ہیں کہ "نور" سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ہے جبکہ کچھ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں بلکہ اس "نور" سے مراد وہ ہدایت ہے جو نبی کریم ﷺ اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔ یہاں پھر وہی مسئلہ پیش آتا ہے کہ۔

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو یہ فریضۂ نبوت دیا گیا تھا کہ وہ قرآن کریم کی ہر پیچیدہ آیت کی وضاحت کریں، قرآن کہتا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ ترجمہ: "اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اُتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو اُن کی طرف اترا"۔ (سورۂ نحل: آیت: ۴۴)۔ ایک مستند حدیث میں اس کا معنی بھی آیا ہے تو پھر ہمیں یہ اختیار نہیں کہ ہم آیت مذکورہ میں لفظ "نور" کی کوئی تشریح کریں بلکہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم نبی

کریم ﷺ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہوئے آپ سے عرض گزار ہوں کہ آقا! ارشاد فرمائیے کہ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ﴾ میں "نور" سے مراد کون ہے؟ کتب احادیث میں ایک صحیح روایت ملتی ہے جسے اکابر دیوبند کے مشہور عالم اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب **"نشر الطیب فی ذکر الحبیب"** میں نقل کیا، جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ پر ہے[9] اور یہ دیگر کتب احادیث میں بھی مروی ہے جسے رسول اللہ ﷺ کے پیارے صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ كُلِّ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُّوْرِهٖ)[10] "یعنی: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو

---

9 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب"، پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں، ص10 تا 12، ط: انتظامی کانپور، فروری 1915ء۔

10 عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنهما قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي! أَخْبِرْنِي عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللهُ تَعَالَى قَبْلَ الْأَشْيَاءِ؟ قَالَ: ((يَا جَابِرُ! إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهِ، فَجَعَلَ ذَلِكَ النُّوْرَ يَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللهُ تَعَالَى، وَلَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ، وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ، وَلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ، وَلَا أَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ، وَلَا جِنِّيٌّ، وَلَا إِنْسِيٌّ، فَلَمَّا أَرَادَ اللهُ تَعَالَى أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذَلِكَ النُّوْرَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ: فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ، وَمِنَ الثَّانِي: اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ: الْعَرْشَ، ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ: حَمَلَةَ الْعَرْشِ، وَمِنَ الثَّانِي: الْكُرْسِيَّ وَمِنَ الثَّالِثِ: بَاقِيَ الْمَلَائِكَةِ، ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ، فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ: السَّمٰوٰتِ، وَمِنَ الثَّانِي: الْأَرَضِيْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ: الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ

اپنے نور سے پیدا کیا"۔ یہ صحیح حدیث ہمیں اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ ہم اُن علماء و مفسرین کا ساتھ دیں جو کہتے ہیں کہ آیت ﴿نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ کا معنی یہ ہے کہ یہاں

أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ...(الخ)) الحديث بطوله. أخرجه عبد الرزاق في المصنف (الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف)، 1/63، الرقم:63، والقسطلاني في المواهب اللدنية، 1/71-72، والزرقاني في شرح المواهب اللدنية، 1/ 46-47، والعجلوني في كشف الخفاء، الرقم: 827، وقال: رواه عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، وقال: رواه عبد الرزاق بسنده، والحلبي في السيرة، 1/50، والشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي في المدارج النبوة، 2/2.

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، وہ نور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے جہاں اس نے چاہا دورہ کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھے اور نہ انسان، کچھ نہ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوق کو پیدا کرے تو اس نے اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصہ سے قلم بنایا، دوسرے حصہ سے لوح اور تیسرے حصہ سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصہ سے عرش اٹھانے والے فرشتے، دوسرے حصہ سے کرسی اور تیسرے حصہ سے باقی فرشتے پیدا کئے۔ پھر چوتھے حصہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا، پہلے حصہ سے آسمان، دوسرے حصہ سے زمینیں اور تیسرے حصہ سے جنت اور دوزخ بنائی پھر چوتھے کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔۔۔ الخ"۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مصنف عبد الرزاق"، جزء مفقود، (مترجم)، علامہ عبد الحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ، لاہور۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے "نور" ہونے کی طرف اشارہ فرمارہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں تیمور صاحب کے گھر نظریۂ نور (Theory of Light) اور تخلیقِ کائنات کو نورِ محمدی ﷺ کے حوالے سے بروز اتوار، تفصیل سے بیان کروں گا کیونکہ اس میں بہت تفصیلی پہلو ہیں جو یہاں بارہ بجے تک بھی پورے بیان نہیں کیے جاسکتے۔

لیکن مجھے ایک چیز یہاں ضرور کہنی ہے کہ یہ مسلمانوں کا صدیوں سے متفقہ عقیدہ رہا ہے جسے صرف اب اس بگاڑ کے دور میں، جدید مادیت کے زیرِ اثر چیلنج کیا جارہا ہے، اس سے پہلے ایسا نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ تمام مخلوقات کا "مرکز" ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پہلے "نورِ محمدی" کو پیدا کیا اور پھر انہی کے "نور" سے کائنات کی ہر شے کو پیدا فرمایا، جیسا کہ مکمل حدیث میں یہ مضمون موجود ہے۔ ممکن ہے آپ نے واعظین سے یہ حدیث سنی ہو، میں جانتا ہوں کہ اب وہ حضرات دنیا سے چلے گئے جو اس حدیث کو بیان کیا کرتے تھے کہ ((أَنَا مِنْ نُّوْرِ اللهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُّوْرِيْ)) [1] ترجمہ: "میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام کائنات میرے نور سے ہے"۔

یاد رہے یہاں حدیث میں وارد لفظِ "مِنْ" عربی قواعد کے اعتبار سے سببیہ ہے یعنی "میں اللہ تعالیٰ کے نور کے سبب سے ہوں" یہ معنی نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے نور کا کوئی حصہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تجزی سے پاک و منزہ ہے، مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نور کے سبب سے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے تمام خلق میرے نور سے پیدا کی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی آفاقی شخصیت سے متعلق ایک مزید آیت اور حدیث

[1] ملاحظہ ہو "مصنف عبد الرزاق"، جزء مفقود، (مترجم)، علامہ عبد الحکیم شرف قادری، حدیث: 18، ص 97، مکتبہ قادریہ، لاہور۔

کاش! میں نے جو کچھ تیمور صاحب کے گھر بیان کرنا ہے یہاں بیان کرپاتا مگر ابھی وقت کی کمی کے باعث میں ایسا نہیں کرسکوں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس موضوع کے لیے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ درکار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی "پہلی تخلیق کردہ" ہستی ہیں، جسے واضح طور پر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، میں یہ آیت ان لوگوں کے لیے پڑھ رہا ہوں جو مجھ سے مذکورہ حدیثِ نور کے حوالے سے کہتے ہیں کہ "حضرت معلوم نہیں یہ حدیث قابلِ قبول بھی ہے یا نہیں، یا صحیح بھی ہے یا نہیں، کیونکہ آج اس دور میں مابعد الطبیعات میں اس طرح کی کوئی بات ماننے میں ہمارے شرک یا بدعتی ہونے کا خطرہ ہے لہٰذا ازراہِ احتیاط ہمیں اس روایت کو چھوڑ دینا چاہیے"۔

آج کل ان لوگوں کا رویہ اس طرح کا ہے، میرا ذاتی طور پر یقین اس بات پر ہے کہ جس چیز کی بھی قرآن کریم میں واضح طور پر تصدیق کی گئی ہے کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ وہ اس سے روگردانی کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان "خطرات" کو ہم سے زیادہ بہتر جاننے والا ہے، قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ ہستی جسے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سب سے پہلے تخلیق کیا محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہستی ہے، یہ تنہا پہلی ہستی بہت دوررس اطلاقات رکھتی ہے۔ آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں یہاں تک کہ علمائے کرام نے مجھ سے پوچھا کہ یہ بات قرآن کریم میں کہاں بیان کی گئی ہے؟ میں نے کہا: عزیز دوستو! قرآن کریم پڑھنے کے لیے بھی کچھ وقت دیں جیسے دیگر امور کو دیتے ہیں، قرآن میں بلا کسی شک وشبہ کے اس بات کے ثبوت وتصدیق کے لیے دو آیات ہیں: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۝﴾۔ ترجمہ: "تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا

اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب سارے جہان کا، اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں" (سورۃ انعام: آیت: ۱۶۲_۱۶۳)۔

"میں سب سے پہلا مسلمان ہوں" میں غور کریں "مسلمان" کا مطلب کیا ہے؟ جنوبی افریقہ کا مسلمان، پاکستانی مسلمان یا ترکی کا مسلمان، بریلوی مسلمان، دیوبندی مسلمان یا وہابی مسلمان؟ اللہ اکبر! جب قرآن کریم اس لفظ "مسلمان" کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسے حقیقی معنوں میں استعمال کرتا ہے نہ کہ وہ جو آج کل اس کا غلط معنی ہو گیا ہے، کیونکہ یہاں دنیا میں ہر وہ شخص "مسلمان" ہے جو مسلمان گھرانہ میں پیدا ہوا، کل میں "اوریئنٹ کلب" میں ایک محفل میں تھا وہاں میں نے کہا کہ "We are Muslim by accident" جب قرآن کریم اس لفظ "مسلمان" کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسے حقیقی معنوں میں استعمال کرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد یا عورت جو اپنے آپ کو کلیۃً اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دے۔ دوسری آیت یہ ہے: ﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [12] یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز مسلمان" ہے۔

ان دونوں آیات کو جمع کریں آپ دیکھیں گے کہ پہلی آیت میں نبی کریم ﷺ سے یہ اعلان کرنے کا کہا جا رہا ہے کہ ﴿وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ تو پھر آپ ﷺ سورج، چاند، زمین اور کائنات کی دیگر مخلوق میں ہر چیز سے پہلے ہونگے کیونکہ مخلوق میں ہر چیز "مسلمان" ہے اور آپ ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں، تو قرآن کریم سے وہ چیز ثابت ہو جاتی ہے جو حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے اور جسے یعنی "نبی کریم ﷺ کی ذات کو اللہ

---

12 ترجمہ: "اور اسی کے حضور گردن رکھتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں"۔
(سورۃ آلِ عمران، آیت: 83)۔

نے سب سے پہلے پیدا فرمایا" علماء و محدثین نے چودہ سو سالوں میں تسلیم کیا کہ یہ قرآن کریم کے مطابق ہے، بس آج کچھ لوگ اسکے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ ہیں:

چونکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پیدا فرمایا اسی لیے پوری کائنات میں کوئی دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ سے زیادہ محبوب نہیں اور نہ ہی اس کائنات میں کوئی ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک آپ ﷺ کے وسیلہ کے بغیر رسائی حاصل کر سکے، یہ بالکل واضح ہے کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

لہٰذا اس کائنات میں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنا چاہتا ہے وہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے ہی وہاں پہنچے گا یہ بہت واضح اور آسان سی بات ہے جسے نہایت واضح طور پر ہمیں بتایا گیا ہے۔

بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرت والا ہے اسے کیا حاجت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اور مخلوق کے درمیان "وسیلہ" بنائے۔ یقیناً اسے کوئی حاجت نہیں کہ وہ الصَّمَدْ (بے نیاز) واجب الوجود اور قائم بالذات ہے مگر اسی طرح اس نے دنیا بنائی ہے، قرآن کریم کے مطابق اس نے فرشتوں کو مختلف امور کی انجام دہی کے لیے "وسیلہ" بنایا اور وہ رب، کائنات کی ہر چیز پر حکمرانی و تصرف اپنے فرشتوں کے ذریعے کرتا ہے، براہِ راست کیوں نہیں؟ مگر کیا فرشتوں کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں (معاذاللہ) کوئی کمی ہے؟ یہ کبھی آپ کے ذہنوں میں نہیں آتا! مگر جب یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

"وسیلہ" ہیں، تو کچھ لوگ غصہ ہو کر کہتے ہیں: "تم لوگ شرک کر رہے ہو"، کیا "شرک" اس وقت نہیں ہوتا جب تم فرشتوں پر ایمان لاتے ہو؟ یہ اسی وقت کیوں ہوتا ہے جب (مخلوق سے) نبی کریم ﷺ کی شان بڑھانے والی کوئی بات کہی جاتی ہے اور تمہیں غصہ آ جاتا ہے کیا تمہارے عقیدے میں کوئی خرابی ہے؟ خیال کیا کرو تمہیں غصہ اس وقت کیوں نہیں آتا جب یہ کہا جاتا ہے کہ فرشتے "وسیلہ" ہیں، صرف تمہیں نبی کریم ﷺ کے نام پر غصہ آ جاتا ہے! کیا مسئلہ ہے تم لوگوں کا؟ قرآن کریم اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان رسول اللہ ﷺ ہی "وسیلہ" ہیں، مثلاً ہمیں بتایا گیا ہے کہ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝﴾

ترجمہ: "اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں"۔ (سورۂ نساء: آیت: ۶۴)۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ تو قرآن کریم ہے، اس میں تو کسی قسم کی تفسیر کا سوال ہی نہیں اور یقیناً نہیں ہے کیونکہ یہ بالکل واضح ہے، کیا قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کو واضح طور پر "وسیلہ" نہیں بتا رہا! کیا یہ آیت صرف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے تھی، جیسے آج کل کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف امیروں کے لیے آیا ہے کیونکہ حج بیت اللہ صرف امیر لوگ ہی ادا کر سکتے ہیں اور سارا سال کیے ہوئے اپنے گناہ بخشوا لیتے ہیں اور یہ غریبوں کے لیے نہیں آیا کیونکہ غریب یہ کام نہیں کر سکتے۔ کیا اسلام صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے لیے آیا تھا؟ کیا یہ رحمت

ومغفرت صرف اُن حضرات کے لیے ہی تھی؟ اگر کہا جائے کہ یہ صرف ان لوگوں کے لیے تھا تو پھر دین اسلام قیامت تک کے لیے نہیں آیا بلکہ صرف ان کے لیے ہی آیا تھا، اگر آپ اس بات کے قائل ہوں تو بحکم قرآن کافر ہو جائیں گے، اور اگر آپ اس کے قائل نہیں تو اب اس آیت کا معنی اور اطلاق کیا ہے؟

مجھے اپنے گناہ بخشوانے کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟ کس طرح نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں؟ یہاں ایک شرط بھی رکھی گئی ہے، لوگ کہتے ہیں: "بس مدینہ چلے جاؤ"، میں سمجھتا ہوں کہ انہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے کیونکہ یہ لوگ دستورِ زندگی اور موت کے معنی وغیرہ اُمور سے غافل ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا جسدِ مبارک، مدینہ منورہ میں روضۂ مبارکہ میں آرام فرما ہے اور وہاں مزار شریف ہونے کے علاوہ ایک عظیم کشش بھی انسانی طور پر پائی جاتی ہے، تاہم دیگر اُمتی نبی کریم ﷺ سے اپنے گناہوں کو بخشوانے کے لیے کیا کریں؟ (وہ گناہگار اُمتی جو بارگاہِ بےکس پناہ میں روضۂ مبارکہ پر حاضر نہیں ہو سکتے، وہ کہاں جائیں؟) مگر میرے عزیز دوستو! رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں کہ میں ان کی بارگاہ میں حاضر ہوں؟ جب تک میں آپ ﷺ کی بارگاہ تک ہر جگہ رسائی حاصل نہ کر سکوں اور آپ ﷺ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور شفاعت کی عرض نہ کر سکوں، اس مذکورہ آیت کا صحیح اطلاق مسلمانوں کی زندگی میں نہیں ہو سکتا۔

آدابِ حاضریِ دربارِ مصطفیٰ ﷺ:

آپ ﷺ کی بارگاہ میں کس طرح حاضر ہوا جائے؟ بغیر اعزاز و اکرام کے؟ مجھے بتائیے جب آپ کسی (وکیل وغیرہ) کے پاس اپنے کیے ہوئے (جرم) کی سفارش کے لیے جاتے ہیں تو پوری عزت و تکریم کے ساتھ اس کے پاس جاتے ہیں اور اس سے

نہایت عاجزی سے درخواست کرتے ہیں کہ جناب! میرا یہ مسئلہ ہے، کیا آپ میری مدد کریں گے؟ تو جب آپ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوں تو وہی کہیں جو "التحیات" میں کہتے ہیں کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ" یعنی: "اے نبی آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکت اور سلام ہو" نہ کہ اس طرح "نبی پر سلام ہو وہ جہاں کہیں ہوں، میں چاہتا ہوں کہ یوں ہو جائے" کیونکہ یہ حضور اکرم ﷺ کی بے ادبی وگستاخی ہے۔ آپ کو براہِ راست حضور سے عرض کر کے اپنی عرضی پیش کرنی پڑے گی اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرنا ہو گا، اگر انہوں نے عرض قبول کر لی تو پھر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کریں گے۔ ﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ﴾ (ترجمہ: "اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں" سورۃ نساء: آیت: ۶۴)۔ یہ لوگ کیسی بچکانہ باتیں کرتے ہیں حضور ﷺ اور اس آیت کے بارے میں! کیا اس آیت مبارکہ کا اطلاق صرف صحابہ کرام کے زمانے تک تھا؟ اگر ہاں، تو پھر یہ قرآن کریم قیامت تک کے لیے نہیں آیا۔

میرے عزیز دوستو! اہم مسئلہ یہ سوال ہے کہ مجھے خدا کی ضرورت کیوں ہے؟ انسان کو خدا کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ (اس لیے) کیونکہ انسان جب اپنی خواہش نفس کے تحت غلطیاں کرتا ہے تو اسے اپنی کمزوری و غلطی کا احساس ہوتا ہے، پھر نہایت مایوسی کے عالم میں وہ اپنے اردگرد نظر ڈالتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ دیگر لوگ بھی اسی کی طرح ہیں، تو اس کے اندر سے ایک چیخ نکلتی ہے کہ کوئی تو ایسی کامل ذات ہو جو مجھ سے محبت کرے اور مجھ سے قریب ہو۔ ورنہ اگر (ایسا نہیں ہے اور) خدا کوئی غیر ذاتی ہستی یا طاقت ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں؟ میں کیوں اس کے لیے نماز پڑھوں؟ کیوں مساجد کی تعمیر

ہو؟ یہ سب کام کیوں کیے جائیں جبکہ خدا ہماری مدد کرنے کو تیار نہیں؟ لہٰذا دین کی بہت اہم بنیاد، خدا کی مدد کی ضرورت ہے۔

مقامِ حبیب اللہ کی تشریح:

میں آپ کو ایک دوسری جہت سے بتاتا ہوں کہ قرآن کریم کے مطابق نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس تین پہلوؤں پر مشتمل ہے، یہ کیا ہیں؟ پہلا: نبی اور رسول ہونے کا ہے، جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ آپ ﷺ جمیع انبیاء و مرسلین میں سب سے افضل ہیں، اور دوسرا مرتبہ "حبیب اللہ" ہے، میں نے اپنی زندگی میں کچھ ایسے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ لفظ "حبیب اللہ" سن کر ان کا چہرہ اتر جاتا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ "یہ مبالغہ آرائی ہے، آپ ﷺ ایک بشر ہی تو تھے تم ان کی اتنی تعریف نہ کیا کرو ورنہ مشرک ہو جاؤ گے"۔ آج کل یہ لفظ "مشرک" بہت عام ہو گیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اب مسلمان اتنے تھک چکے ہیں کہ وہ بجائے اس کے کہ دوسروں کو مسلمان کریں، مسلمانوں کو ہی "مشرک" بنانے میں لگ گئے ہیں، یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بس دنیا میں چند مسلمان ہی رہ گئے ہیں جیسے یہ خود اور باقی کوئی مسلمان نہیں ہے[13]۔ قرآن

---

13 کسی مسلمان کو اس لفظ "مشرک" سے تعبیر کرنا انتہائی خطرناک ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے: ((عَنْ حُذَیْفَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ والہ وسلم: ((اِنَّ مَا اَتَخَوَّفُ عَلَیْکُمْ رَجُلٌ قَرَاَ الْقُرْآنَ حَتّٰی اِذَا رُئِیَتْ بَھْجَتُہٗ عَلَیْہِ وَکَانَ رِدْئًا لِلْاِسْلَامِ غَیَّرَہٗ اِلٰی مَاشَاءَ اللہُ فَانْسَلَخَ مِنْہُ وَنَبَذَہٗ وَرَاءَ ظَھْرِہٖ وَسَعٰی عَلٰی جَارِہٖ بِالسَّیْفِ وَرَمَاہُ بِالشِّرْکِ)) قَالَ: قُلْتُ: یَا نَبِیَّ اللہِ، اَیُّھُمَا اَوْلٰی بِالشِّرْکِ الْمَرْمِیُّ اَمِ الرَّامِیْ قَالَ: ((بَلِ الرَّامِیْ)).

کریم کے مطابق، تمام مسلمان "حبیب اللہ" (اللہ کے دوست) بن سکتے ہیں، مگر یاد رہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ مرتبۂ حبیب اللہ پر فائز ہیں کوئی دوسرا یقیناً اس مقام پر فائز نہیں ہو سکتا، لیکن وہ مسلمان حبیب اللہ بن تو سکتا ہے، قرآن کریم پڑھیے ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾، ترجمہ: "اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا" (سورۂ آل عمران، آیت: ۳۱)۔

معلوم ہوا کہ اگر نبی کریم ﷺ کا امتی آپ کی فرمانبرداری کے ذریعے "حبیب اللہ" بن سکتا ہے تو یہ بہت واضح اور معقول بات ہے کہ آپ ﷺ "حبیب اللہ" ہیں اور کوئی ان کے برابر نہیں، آپ ﷺ کی ذات وہ کیمیا (Alchemy) ہے جو دھات کو سونے میں بدل دیتا ہے اور گویا ایک مقناطیس ہے جو کسی لوہے کی چیز کو اپنی قوت سے مقناطیس میں بدل دیتا ہے، یہ ہے نبی کریم ﷺ کا مرتبہ ا۔ جیسا کہ ہم کُتبِ "صحاح ستہ" میں پڑھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین گذشتہ

یعنی: حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس شخص کا ہے جو قرآن پڑھے گا، جب اس کی عمدہ آواز کا شہرہ ہو گا اور اسے اسلام کا مددگار سمجھا جانے لگے گا، یہ اس وقت تک ہو گا جب تک اللہ چاہے، تو وہ قرآن سے دور ہو جائے گا اور اسے پس پشت ڈال دے گا، اپنے پڑوسی پر تلوار لے کر نکلے گا اور اس پر شرک کا الزام لگائے گا، راوی کہتے ہیں میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! ان دونوں میں سے شرک کا زیادہ حقدار کون ہو گا، جسے کہا گیا یا جس نے کہا؟ ارشاد فرمایا: بلکہ وہ جس نے کہا۔

(ملاحظہ ہو صحیح ابن حبان، حدیث: 81، معجم کبیر، حدیث: 169، مجمع الزوائد، ج 1، ص 188)۔

ے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کر رہے تھے کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام
ی اللہ" ہیں، حضرت سیدنا نوح علیہ السلام "نجی اللہ" ہیں، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ
لسلام "خلیل اللہ" ہیں، حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام "کلیم اللہ" ہیں، حضرت سیدنا
یٰ علیہ السلام "روح اللہ" ہیں، مگر ہمارے نبی کریم ﷺ کا لقب کیا ہے؟ نبی کریم
ﷺ ان کی یہ باتیں سن رہے تھے ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: (أَنَا حَبِيْبُ اللهِ
وَلَا فَخْرَ) ترجمہ: "میں اللہ کا حبیب ہوں اور یہ ازراہ فخر بیان نہیں کرتا"[14]۔

یہ نبی کریم ﷺ کا وہ دوسرا مرتبہ ہے جس کا اظہار قرآن کریم نے اس طرح
یا، میں اس مرتبہ کو صرف قرآن کریم سے بیان کر رہا ہوں لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب
نہیں کہ میں حدیث شریف پر یقین نہیں رکھتا، بلکہ اس لیے کہ قرآن کریم سے بیان
کرنے سے بہت سے مسائل خود حل ہو جاتے ہیں۔ مگر جو کچھ آج رات میں اس انداز
سے بیان کر رہا ہوں غالباً اس دور میں پہلی مرتبہ کوئی اہل علم اسے اس طرح بیان کر رہا
ہے صرف اور صرف قرآن کریم کی بنیاد پر، میں نے کسی عالم دین کو اس طرح بیان
کرتے ہوئے نہیں سنا اور نہ ہی کہیں پڑھا۔ یہ محض مجھ جیسے کم علم کی تحقیق کے مطابق
ہے، مگر معاذ اللہ! میں یہ نہیں کہتا کہ میں ان علماء کرام سے علم و مرتبہ میں بڑا ہوں۔
ممکن ہے کسی عالم دین نے اس طرح بیان کیا ہو اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، تاہم مجھے
علم نہیں۔ یہ "حبیب اللہ" رسول کریم ﷺ کا دوسرا مرتبہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے
کہا کہ پہلا مرتبہ "رسول اللہ اور نبی اللہ" کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء مرسلین
علیہم السلام میں سب سے افضل اس طور پر بھی ہیں کہ دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام

---

14 ملاحظہ ہو جامع الترمذی، ابواب المناقب، فضل النبی ﷺ، حدیث: 3549۔

مخصوص قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے جبکہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں کے لیے نبی بن کر تشریف لائے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ ترجمہ: "تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں" (سورۂ اعراف: ۱۵۸)۔ یہ افضل ہونے کی ایک اور وجہ ہے۔ لیکن میں آپ لوگوں سے مرتبۂ "حبیب اللہ" کے تعلق سے گفتگو کر رہا ہوں کہ وہ کس طرح ظاہر ہوتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ چند آیات ہی پیش کروں نہ کہ سب کیونکہ اس میں بہت وقت لگے اور اب تقریباً دس بجے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے سورۂ ضحیٰ پڑھیں: ﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝﴾[15] یہ ہے مقامِ محبوبیت! تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! میں تمہاری رضا چاہتا ہوں، ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝﴾ ترجمہ: "اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"۔

ہم کس طرح راضی ہو سکتے ہیں؟ کبھی راضی نہیں ہوتے! یہ فطرتِ انسانی ہے کہ وہ خیر سے کبھی بھی کسی بھی مقام پر مطمئن و راضی نہیں ہوتا۔ مثلاً جو شخص علم کے حصول میں جتنا آگے بڑھتا جاتا ہے اسے اتنا ہی اپنی کم علمی کا شعور ہوتا ہے اور مزید پیاس

---

15 ترجمہ: "چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بے شک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"۔ (سورۂ ضحیٰ، آیت: 1-5)۔

حق ہے، لہٰذا وہ رک نہیں سکتا، یہ معاملہ تمام اعلیٰ چیزوں میں بھی ہے اور اسی طرح خدائی تعلق (Divine Connection) میں بھی، کون کہے گا کہ الٰہی! بس یہ بہت ہے! وہ کیسے کہہ سکتا ہے! میں کہتا ہوں کہ اگر ہم اپنی محدود عقل کے ذریعے اسے سمجھ جائیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے تو کیا ادنیٰ طور پر بھی یہ ممکن ہے کہ وہ بندہ چاہے کہ یہ نزولِ رحمت رُک جائے، رحمتِ خداوندی کی اصل یہ ہے کہ وہ بندہ کو بتدریج ترقی دیتی اور اسے بلند سے بلند کرتی چلی جاتی ہے اور اس کی روح کو مرتبۂ کمال کی بلندی پر پہنچا دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول لامحدود و بے انتہا ہے، یہ ہے رسول اللہ ﷺ کا مقام "حبیب اللہ"!۔ پھر ایک اور چیز جسے قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝﴾ ترجمہ: "اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں کوثر (بے شمار خوبیاں) عطا فرمائیں" (سورۂ کوثر، آیت: ۱)

اَلْكَوْثَر کی تفسیر:

آج کل اکثر مسلمان اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ "اَلْكَوْثَر" جنت کا ایک چشمہ ہے، وہ اپنے محدود علم کی وجہ سے یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ جنت کیا ہو سکتی ہے، لہٰذا وہ ہر اُخروی چیز کو مادی (Physically) طور پر تصور کرتے ہیں۔ مفسرین کرام اور عربی زبان میں مہارت رکھنے والے افراد سے دریافت کریں کہ "اَلْكَوْثَر" کیا ہے؟ اس کا معنی ہے "خَيْرٌ كَثِيْرٌ" یعنی بے شمار خوبیاں جنہیں شمار نہ کیا جا سکے، ممکن ہے آپ اسے سمجھ نہ پائیں، لہٰذا میں آپ کو مثال سے سمجھاتا ہوں، فرض کریں دو شخص ہیں جن میں سے ایک کی آمدنی پانچ ہزار روپے ہے، گھر کے افراد دس ہیں اور اس کا گزر بسر اس آمدنی سے ہو جاتا ہے، جبکہ دوسرے کی آمدنی لاکھوں روپے ہے اور وہ آرام کی زندگی

بسر کرتا ہے۔ اب اگر پہلا شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں پانچ روپے دے تو کہا جائے گا کہ اس نے اچھا کام کیا ہے، مگر اگر یہ پچاس، سو، دو سو یا تین سو روپے صدقہ کرے تو کہا جائے گا کہ اس نے بہت زیادہ صدقہ کیا، "کوثر" باعتبار دینے کے ہے نہ کے لینے کے۔ اگر دوسرا شخص بھی پانچ سو روپے صدقہ کرے تو اسے بخیل کہا جائے گا، ہاں اگر وہ پچاس ہزار یا ایک لاکھ روپے صدقہ کرے تو کہا جائے کہ زیادہ صدقہ کیا، وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ وہ "کوثر" کیا ہوگی کہ جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی لامحدود ازلی ابدی ذات سے ہے! حیرت انگیز و بے شمار خوبیاں! کیا آپ اس کا تصور کر سکتے ہیں؟! اسے شمار کر سکتے ہیں؟! اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرماتا ہے: ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝﴾ یعنی: "اے محبوب! ہم نے تمہیں اپنی طرف سے کوثر عطا کی"، کون عطا فرما رہا ہے! جس کے قبضے میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مقابلہ میں "کوثر" کیا ہوگی! آپ کہاں اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟! اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی یہ "کوثر" عطا نہیں فرمائی۔

یہاں ایک اور نکتہ کی وضاحت ہو جاتی ہے صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے اذن سے گناہگاروں کی شفاعت کرینگے اور ایک بہت بڑی تعداد میں سزا یافتہ لوگوں کو جہنم سے رہائی دلوائیں گے جنہیں بحکم خدا جہنم میں ڈال دیا گیا ہوگا۔ لوگ اس کے اطلاق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، ایسا نہیں ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قانون کی کسی قسم کی خلاف ورزی ہوگی ہرگز نہیں، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو جہنم کی سزا دی ہوگی رسول اللہ ﷺ انہیں (بغیر اذنِ الٰہی) فوراً آزاد کرالیں گے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بے شمار بھلائیاں اور خوبیاں عطا کی گئی ہیں کہ آپ علیہ السلام ان میں سے

گناہگاروں کو عطا فرمائیں گے تاکہ ان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے اور وہ جہنم کے عذاب سے رہائی حاصل کر سکیں۔ مثلاً کسی شخص سے جرم کے ارتکاب میں حکومت نے پانچ سو روپے کا مطالبہ کیا اور کہا: اگر یہ جرمانہ نہیں دے سکتے تو جیل میں اتنے عرصے تک رہو اور سزا کاٹو، وہ نہ دے سکا اور جیل میں ہے۔ اس کے دوست کو معلوم ہوتا ہے تو وہ حکومت کے پاس پہنچتا ہے اور پانچ سو روپے جرمانہ کی رقم دے کر اسے آزاد کرا لیتا ہے، بتائیے حکومت اس بارے میں اس سے کیا کہہ سکتی ہے! میں سمجھتا ہوں کہ یہ نہایت آسان سی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن گناہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے نہ رسماً اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے کسی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، بلکہ اس وجہ سے کہ آپ ﷺ "مالکِ کوثر" ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، لہٰذا نبی کریم ﷺ اس خزانے سے گناہگاروں میں بھلائیاں تقسیم کریں گے تاکہ انہیں جہنم سے آزاد کرایا جا سکے۔ جس کسی کے لیے ذرہ برابر بھی رہائی کی امید ہوگی وہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پائے گا اور جہنم سے رہا ہو جائے گا، یہ بات قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ ۝ فَهُوَ فِى عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ ۝ فَأُمُّهُۥ هَاوِيَةٌ ۝﴾ ترجمہ: "تو جس کی تولیں بھاری ہوئیں وہ تو من مانتے عیش میں ہیں اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں وہ نیچا دکھانے والی گود میں ہے"۔ (سورۂ قارعہ، آیت: ۶-۹)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے، جو لوگوں پر بے انتہا مہربان اور ان سے محبت کرنے والا ہے، لوگوں کے لیے یہ راستہ جہنم سے رہائی کا بنایا ہے اور یہ اس کے کسی قانون کے خلاف بھی نہیں ہے، یہ راستہ اُس ذات کے ذریعے سے بنایا جس کے بارے میں ارشاد

فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○﴾ ترجمہ: "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔ (سورۂ انبیاء: آیت: ۱۰۷)۔

نبی کریم ﷺ یہاں ہمارے ہادی ہو کر رحمت ہیں اور قیامت میں ہمارے شفیع ہو کر رحمت ہونگے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

"شاہد" کی تفسیر:

اب میں آپ ﷺ کے تیسرے مرتبے کے بارے میں گفتگو کرتا ہوں، آپ ﷺ کا تیسرا مرتبہ ہمارے لیے ناقابلِ فہم ہے، ہم پہلے مرتبے "نبی و رسول" اور دوسرے مرتبے "حبیب اللہ" کو سمجھ سکتے ہیں، مگر حدیث میں آیا اور قرآن میں ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾ ترجمہ: "اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! بے شک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ (حاضر و ناظر بنا کر)"۔ (سورۂ احزاب، آیت: ۴۵)۔

"شاہد" کا معنیٰ "گواہ" ہے، اور گواہ وہی ہو سکتا ہے جس نے اس چیز کو دیکھا ہو جس کی وہ گواہی دے رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں مگر جب تک رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ کیا ہو وہ اس کے گواہ نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ گواہ ہیں کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق لامحدود ہے جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا○﴾[16]

---

[16] "تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کیلئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہونگی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں"۔ (سورۂ کہف: آیت: 109)

اگر آپ ﷺ نے پوری کائنات نہ دیکھی ہوتی تو کیسے اس کے گواہ ہو سکتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت ہے، اور جنت کتنی بڑی ہے قرآن کہتا ہے: ﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (ترجمہ: "اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ"۔ سورۂ حدید: آیت: ۲۱)۔ اگر آپ ﷺ نے جنت و مافیہا کو نہیں دیکھا تو اس کے گواہ کیسے ہو سکتے ہیں! اسی طرح آپ ﷺ کیسے فرشتوں کے گواہ ہو سکتے ہیں اگر آپ ﷺ نے فرشتوں کے لشکر کو دیکھا ہی نہیں اور نہ ہی ان سے ملے؟ یہ مقام سمجھ سے بالا ہے، یہ آپ ﷺ کا تیسرا مرتبہ ہے۔

صحاح کی حدیث شریف میں ہمیں بتایا گیا ہے جسے تمام علماء و محدثین نے قبول کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ"[17]، ترجمہ: "میرا وقت خدا کے ساتھ ایسا گزرتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتے یا مرسل نبی کو گنجائش نہیں ہوتی"، یہ حدیث ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں ایک روز نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبِیْ! حضور نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: تم کون؟ عرض کی: عائشہ بنت ابو بکر، فرمایا: کون ابو بکر؟ عرض کی: ابو بکر بن قحافہ، فرمایا: کون قحافہ؟ فرماتی ہیں میں خوف کے مارے وہاں سے فوراً چلی آئی، پھر کچھ دیر بعد خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی: کیا آپ کو یاد ہے کہ میں آپ سے ملنے آئی تھی اور آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں کون ہوں؟ اور

---

[17] ملاحظہ ہو رسالہ قشیریہ۔

میرے والد کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ کون ہیں، آپ نے مجھ سے یہ کیوں پوچھا تھا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "يَا عَائِشَةُ لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ"۔ (ترجمہ: "اے عائشہ! میرا وقت خدا کے ساتھ ایسا گزرتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتے یا مرسل نبی کو گنجائش نہیں ہوتی"۔)

میں اس مرتبہ کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ اسے کیا نام دے سکتا ہوں؟ کوئی کیسے آپ ﷺ کا یہ مرتبہ بیان کر سکتا ہے؟ کیسے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق جو صحابہ میں سب سے عظیم ہیں، یا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہما کچھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کیا مرتبہ ہے؟ مگر آپ لوگ، کچھ جاہل و بے کار و حقیر چھوٹے چھوٹے، دو ٹانگوں پر چلتے ہوئے "مولوی" کو زبان درازی کرتے ہوئے یہ کہتا پائیں گے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ ہماری طرح کے انسان ہیں "یا "بڑے بھائی کی طرح ہیں"، ارے تم ان کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ "وہ تو ایک بشر تھے"۔ اللہ اکبر! یہ انسانی عقل کی توہین ہے! یہ قرآن کریم اور تمہارے ایمان کی توہین ہے! تم رسول اللہ ﷺ کی ذات و مرتبہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، ہاں مگر اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہو اس سے آگاہ ہو جاؤ!

یہاں نبی کریم ﷺ کے اس مقام کے تعلق سے، جسے آپ نے "لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ" کہہ کر بتایا، میں آپ لوگوں کو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا حوالہ دیتا ہوں آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے، برگزیدہ اور معظم نبی ہیں میری اور آپ کی طرح نہیں! آپ میں سے اکثر نے اس واقعہ کو سنا ہو گا قرآن کریم میں ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ

فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ﴾ ترجمہ: "اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں، فرمایا: تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا، (چونکہ تم میرے نبی ہو اور میں تمہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تمہارا مجھ پر حق ہے کہ مانگو) ہاں! اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو عنقریب تُو مجھے دیکھ لے گا (اے موسیٰ! تمہارے تسلی اور فائدے کے لیے میں ایک تجلی، پہاڑ کی طرف کرتا ہوں جو تمہارے جسم سے، بہت مضبوط ہے، اگر یہ پہاڑ میری تجلی سے قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے) پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا (آپ لوگ ایٹم کی شعاع ریزی (Atomic Radiation) کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ اسی طرح پاش پاش کر دیتی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ جب ایٹم بم ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرا تھا تو اس نے ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ جس پہاڑ کی طرف رب تعالیٰ نے تجلی فرمائی تھی وہ راکھ ہو کر رہ گیا اور اس کی شعاع ریزی کا اثر موسیٰ علیہ السلام پر بھی ہوا جو اس سے دور تھے) اور موسیٰ گرا بے ہوش، پھر جب ہوش ہوا بولا پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا (کہ میں آئندہ تجھے دیکھنے کی عرض نہ کروں گا، آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم ہستی ہیں کوئی عام نہیں)"۔ (سورۂ اعراف: آیت: 143)

مقصدِ معراج:

نبی کریم ﷺ کا کیا مقام ہے! قرآن کریم ان کے بارے میں کیا کہتا ہے! آج لوگ رسول اللہ ﷺ کے علم کے بارے میں باتیں کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے علم پاک کو ناپنا چاہتے ہیں، یہ اندھے لوگ جو اپنی ناک سے آگے نہیں دیکھ سکتے یہ آپ ﷺ کے علم پاک کو ناپنا چاہتے ہیں، تنازعات کھڑے کر رہے ہیں، کتابیں لکھ رہے ہیں اور اس کے خلاف تقریریں کر رہے ہیں، یہ لوگ صرف اپنی اور انسانی عقل

کی توہین کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ "شاہد" (گواہ) ہیں اور میں نے بتایا کہ اس کا معنی کیا ہے، اس کی وضاحت قرآن کریم (کی سورۂ اسراء) میں ہے، قرآن کہتا ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ (ترجمہ: "پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصا تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکت رکھی") یہ معراج کس لیے تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ ترجمہ: "کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں" (سورۂ اسراء: آیت: ۱)۔

یعنی اس لیے تھی کہ انہیں تمام کائنات کا مشاہدہ کرائیں تاکہ یہ اس کے گواہ ہو جائیں اور پھر محض سن کر نہیں بلکہ مشاہدہ کرکے لوگوں کو بتائیں۔ سن کر بات آگے پہنچانا ہمارا کام ہے مثلاً ہمیں ہمارے استاد مولانا سید سلیمان اشرف نے خبر دی، انہیں مولانا عبد الحق خیر آبادی نے، انہیں مولانا فضل حق خیر آبادی نے وعلیٰ ھذا القیاس۔ یہ فضل الرحمن انصاری کا کام ہے کہ وہ کسی چیز کو سن کر بیان کرے مگر رسول اللہ ﷺ کا نہیں کہ آپ "شاہد" (گواہ) ہیں، ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ (یعنی اے محبوب!) اس پوری کائنات کو دیکھو، اس میں سے گزرو اور سب سے بلند مقام پر پہنچ کر اس کا مشاہدہ کرو۔

اللہ اکبر! کتنی اور کیسی عظمت وعزت کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا (اس کے لیے سورۂ نجم کا مطالعہ کریں) ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝﴾[18] کچھ لوگ جو خواب غفلت میں رہنا چاہتے ہیں، کہتے ہیں کہ "ارے! ہم بہت چھوٹے ہیں لہٰذا یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس رات معراج پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، آپ ﷺ نے تو صرف فرشتوں کے سردار حضرت جبریل امین علیہ السلام سے ملاقات فرمائی اور یہ آیات اسی کا بتاتی ہیں۔"

بہت خوب جناب! حضرت جبریل امین علیہ السلام اکثر روزانہ تشریف لاتے تھے اور یہ وہی ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تئیس سال تک وحی لے کر آتے رہے، جبریل امین کے لیے یہ خطاب تو کسی بھی جگہ ہو سکتا تھا، یہ خطاب جبریل امین سے نہ تھا جو یہاں بیان کیا گیا ہے، آپ ﷺ حضرت جبریل کے بندے نہیں ہیں ﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ﴾ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی فرمائی اور علم سے نوازا اس جگہ نوازا (جسے یوں بیان کیا) ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾، آپ ﷺ اتنا قریب تھے جیسے کمان کے دو سرے، اور اللہ تعالیٰ خود اس امر

---

18 ترجمہ: "اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی"۔
(سورۂ نجم، آیت: 1-10)

کی گواہی دیتا ہے ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۝﴾ [19] یعنی: آپ ﷺ نے براہِ راست اپنے رب کا دیدار اس انداز سے کیا کہ اپنے آپ کو بے چین محسوس نہ کیا۔ آپ ﷺ کے اس دیدار کا موازنہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دیدار سے کیجیے! وہاں بالواسطہ تجلی دیکھی جبکہ یہاں براہِ راست دیدار ہوا۔ رسول اللہ ﷺ مخلوق میں وہ غیر معمولی طاقت وقدرت رکھنے والے ہیں کہ براہِ راست یہ عظیم مشاہدہ بھی آپ ﷺ کے اعصاب (nerves) کو ہلا نہ سکا اور آپ ﷺ متوازن رہ کر دیدار کرتے رہے۔ اگر ہم اس کمرے کو دو ہزار یا 500 واٹ کے بلبوں (Lamps) سے روشن کریں تو ہم میں سے ہر ایک فوراً مخبوط الحواس ہو جائے گا اور اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے گا، بلکہ صرف 500 واٹ کے (بہت سے) بلبوں سے ہی ہم میں سے ہر ایک مخبوط الحواس ہو جائے گا۔

اس "نور" کی طاقت کس قدر ہو گی! اسی لیے کوئی آپ ﷺ کے مرتبہ اور حیثیت کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے کہ کتنی عظیم اور کتنی طاقتور ہے؟ آپ ﷺ بشر ہیں، ہاں! مگر ایک ہیرہ ہیں اور میں اور آپ کو ئلہ، کوئی انسان بھی آپ ﷺ کا مقابلہ نہیں کر سکتا چاہے حضرت ابراہیم ہوں، حضرت آدم ہوں حضرت نوح ہوں یا حضرت موسیٰ یا کوئی اور! فارسی کے ایک مشہور مسلمان شاعر، جن کا تعلق تقریباً آٹھ سو سال پہلے سے ہے کہتے ہے:۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک جلوۂ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

19 ترجمہ: "دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا"۔ (سورۂ نجم، آیت: 10)۔

(یعنی: حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ایک تجلی سے بے ہوش ہو گئے تھے اور اے اللہ کے رسول! آپ کا معاملہ یہ ہے کہ عین ذات کا مشاہدہ مسکرا کر فرما رہے ہیں)۔

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۝﴾ پھر اللہ تعالیٰ ہم سے بیسوی صدی آنے سے پہلے ہی پوچھتا ہے: ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۝﴾ ترجمہ: "تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو"۔ (سورۂ نجم، آیت: 11)۔ وہ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بیسویں صدی میں کچھ لوگ بلکہ کچھ مسلمان بھی یہ کہیں کہ "یہ ناممکن ہے؟ فلاں چیز ناممکن ہے؟ فلاں کام ناممکن ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" تو اس مالک نے چودہ سو سال پہلے ہی فرمایا دیا تھا کہ ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۝﴾ (ترجمہ: "تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو"۔) بلکہ تم لوگ تو ایک بار دیدار کرنے میں شک کرتے ہو میں تمہیں ایک اور بات بتاتا ہوں کہ میں نے تو انہیں دوسری بار بھی دیدار کرایا تھا، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۝﴾ ترجمہ: "اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے پاس جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا (کیا چھا رہا تھا؟ کوئی انسان اسے سمجھ نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ یہاں اس کا نام بھی ذکر نہیں کیا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی (اگر یہاں ذرا سی تیز روشنی ہو جائے تو ہم اپنی آنکھیں بند کر لیں گے پھر فرمایا) بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں" (سورۂ نجم، آیت: 13-18)۔

ہم اس ذات کی شخصیت کو کیسے بیان کر سکتے ہیں! کیا ایک چیونٹی کے لیے یہ کہنا روا ہے کہ "کوہِ ہمالیہ" کتنے بلند ہیں؟ کیا ایک مُنہ کے لیے یہ کہنا روا ہے کہ کتنا بڑا سورج ہے! کیا فضل الرحمٰن انصاری کے لیے یہ کہنا روا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کتنے عظیم ہیں؟ ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ ("اے آدمی! تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے"۔ سورۃ انفطار، آیت: 6)۔

وہ رب تعالیٰ جو نہ صرف میرے اور آپ احباب جیسے چھوٹے انسان کو پیدا کرنے پر قادر ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بے حد عظیم مرتبہ والی ذات کو بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ آپ کیوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو چیلنج کرتے ہیں؟ کیا آپ خود سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ناپنا چاہتے ہیں؟ جو کوئی بھی ایسا کرتا ہے وہ یقیناً نرا احمق ہے، جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم نہ تو ناپنے والے ہیں اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کو کچھ حکم دے سکتا ہے کہ فلاں انسان کو اس طرح ہونا چاہیے اور فلاں کو اُس طرح۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کائنات تخلیق کرتے وقت ہم سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ زمین کا رقبہ کیا ہوگا؟ سورج کتنا بڑا ہوگا؟ چاند کتنا بڑا ہوگا؟ اور اس دو ٹانگوں والی مخلوق کا قد کتنا بڑا ہوگا جو کبھی کبھی سرکشی وبغاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور حق بات کے خلاف بولنے لگتی ہے؟ اللہ اکبر! مجھے اُمید ہے کہ آپ لوگ تھکے نہیں ہونگے، میں چاہتا ہوں کہ اس کو مکمل کرلوں۔

مسئلہ علم غیب کی تشریح:

ایک اور مسئلہ جو آج مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا وہ "علم غیب" سے متعلق ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے سُنّی مسلمان اس مسئلہ میں دو مستقل حریفوں میں تقسیم کر دیے گئے ہیں، اگرچہ مسئلہ حقیقتاً بہت ہی سادہ سا ہے، میں نہیں جانتا کہ

اب تک یہ حل کیوں نہیں کیا گیا؟ جو کچھ میں نے آپکو قرآن کریم سے بتایا ہے آپ اس سے بہت اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو پوری کائنات کا علم دیا گیا، جو ہمارے لیے پوشیدہ یا غیب ہے، اُنکے لیے نہیں ہے۔

مگر یہ معاملہ سمجھداری کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ایک آیت ہے: ﴿وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ (ترجمہ: "اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی" سورۂ اعراف، آیت: 188) یہ آیت قرآن کریم کے سیاق وسباق سے ہٹا کر پیش کی جاتی ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ "غیب کی چیزیں" نہیں جانتے، یہ بات درست نہیں۔ جہاں تک علم غیب کا تعلق ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ کسی شخص کی روز بروز زندگی کے واقعات کا علم[20]

۲۔ دوسرے حقائق کا علم۔ مثلاً ایک سائنسدان یہ پیش گوئی نہیں کر سکتا کہ کل اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، مگر وہ بالکل درست طور پر یہ پیش گوئی کر سکتا ہے کہ کل یا آئندہ سال فلاں سیارے کا مقام کیا ہوگا۔

اس طرح، ان دو قسم کے علوم میں ایک امتیازی فرق ہے، یہ پہلی چیز ہے جسے ذہن میں رکھنا ہے، کیونکہ قرآن کریم اُس (پہلی قسم) کے بارے میں کہتا ہے: ﴿وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ (ترجمہ: "اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی")۔

---

20 اس سے مراد "علم مطلق تفصیلی" ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا احمد رضا خان حنفی کی کتاب "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ"۔

جبکہ اس (دوسری قسم) کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝﴾ ترجمہ: "اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں" (سورۂ تکویر، آیت: 24)

چونکہ رسول اللہ ﷺ "غیب" کا علم رکھتے ہیں اسی لیے یہاں اسے بتانے یا نہ بتانے کا سوال پیدا ہوتا ہے، اس آیت میں اس کی تصدیق کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کو غیب کا علم تھا، اور دوسری آیت میں اس کا انکار کیا گیا ہے، کیا قرآن کریم میں کوئی تضاد ہے؟ نہیں! قرآن کریم، علم کے میدان کو دو علیحدہ حصوں میں تقسیم کرتا ہے:

۱۔ کسی شخص کی زندگی میں واقعات کا ترتیب وار سلسلہ

اور ۲۔ دوسرے حقائق اور فطرتِ کائنات کا علم کہ یہ کس طرح کام کرتی ہے اور وہ کون سے قوانین ہیں جو اسے چلاتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے کہ اس نے کسی شخص کی زندگی میں ہونے والے واقعات کا علم اس شخص سے پوشیدہ رکھا ہے وہ فرماتا ہے: ﴿مَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ (ترجمہ: "اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی"۔ سورۂ لقمان، آیت: 34)۔

یہ ایک بڑی رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو ہم سے پوشیدہ رکھا ہے، یہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کی لاعلمی ہے جس کے ذریعہ "مذہبی زندگی" ممکن ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے زندگی صرف اسی ذریعہ سے ممکن ہو سکتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((الْإِيمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ))۔ یعنی: ایمان، خوف اور اُمید کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ خوف و اُمید کا طریقہ ہے، جو انسان کی زندگی میں

اسے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھتا ہے، وہ ہر وقت کسی بھی ممکنہ خطرہ سے اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے اُسکی رحمت کا سوال کرتا ہے۔

اگر کسی انسان کو اس چیز کا علم ہو جائے جو اس کے ساتھ اچھی یا بُری واقع ہونے والی ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی لیے یہ چیز عبودیت کی روح (جوہر) میں سے ہے کہ انسان اس چیز سے لاعلم رہے جو اس کے ساتھ کل ہونے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں علم نجوم اور اس کی پیش گوئیوں میں ہاتھ پاؤں مارنے سے منع فرمایا ہے۔

یہ واقعی ایک رحمت ہے کیونکہ کل ہونے والی بات کو جان لینا آپ کو اس بنیاد سے دور لے جاتا ہے جس پر مذہبی یا روحانی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں کسی بھی معنی میں "خدا" نہیں ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے عظیم ہیں، نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو روز بروز واقعات کا علم اس لیے نہیں دیا۔ جیسا کہ ہمیں نہیں دیا۔ تاکہ آپ عبودیت کے مرتبہ میں رہیں، یہ ضروری تھا کیونکہ قرآن کریم کے مطابق یہ "عبودیت" کا مرتبہ ہی ہے جو انسان کے لیے بڑی عزت و تکریم ہے۔ یہ اس لیے نہ تھا کہ (معاذ اللہ) آپ خدا ہو جائیں یا یہ کہ آپ ﷺ میں خدا حلول کر جائے۔ اس فلسفہ کو بھی میں ان شاء اللہ کسی وقت، ممکن ہے تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کرونگا۔ یہ صرف زندگی میں مادی اور شخصی واقعات ہیں جس کی طرف پہلی آیت اشارہ کرتی ہے: ﴿وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾۔ مثال کے طور پر اگر مجھے ان واقعات کا علم دیا جاتا جو میری زندگی میں ہونے والے ہیں تو پھر میں انسان ہونے کے ناطے یقیناً اس سے بچنے

کے لیے کچھ کرتا۔ اس طرح کا علم آپ ﷺ کو نہیں دیا گیا تھا بلکہ پوری کائنات کی اشیاء کی خاصیتوں کا بنیادی علم، چیزوں کے آغاز و انجام کے بارے میں علم دیا گیا تھا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

(27 رجب المرجب 1431ھ، بمطابق 09 جولائی 2010ء بروز جمعۃ المبارک یہ ترجمہ مکمل ہوا۔)

اَلرَّاجِیْ اِلٰی لُطْفِ رَبِّہِ الرَّحِیْمِ
حامد علی علیمی

Philosophy of Shahadah

کا اردو ترجمہ بنام

کلمۂ شہادت کا فلسفہ

پُر مغز خطاب

مبلغ اسلام حضرتِ علامہ مولانا
ڈاکٹر حافظ محمد فضل الرحمٰن الانصاری القادری رحمۃ اللہ علیہ
(1970ء-1971ء، جنوبی افریقہ)

عرضِ مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ ○

اَمَّا بَعْدُ:

شریعتِ مطہرہ میں ایمان کی اساس یہ ہے کہ بندہ صدقِ دل سے گواہی دے کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں اور رسولِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ورسول ہیں"۔ یہ وہ بنیادی اساس ہے جس پر پوری عمارتِ اسلام قائم ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بنیادی اساس کا فلسفہ اور حکمت کیا ہے؟ مختلف اَدوار میں اہلِ علم حضرات نے اس کے فلسفے و حکمت کو بیان کیا اور اپنے اپنے انداز سے آج بھی کر رہے ہیں۔ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے جنوبی افریقہ کے تبلیغی دورے میں اسی اساس کی اہمیت کو "Philosophy of Shahadah" کے عنوان کے تحت بیان کیا۔ اس میں آپ نے ایک منفرد انداز میں کلمۂ شہادت کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے فلسفے اور حکمت کو بیان کیا۔

اس حوالے سے مسلمانوں میں پائے جانے والی بعض غلط فہمیوں کی نشاندہی کی اور عملی زندگی میں کلمۂ شہادت کے حقیقی معنوں کی طرف اشارہ کیا۔ عملی تصویر کی وضاحت بزرگانِ دین کے واقعات کو پیش کر کے فرمائی۔ نیز کلمۂ شہادت کے تقاضوں کی وضاحت بھی فرمائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر کو آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ طیبہ سے مدلل اور چند نصیحت آمیز اشعار سے مزین کیا۔ یہ تقریر "Islam to the Modern Mind" کتاب میں ترتیب کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر ص66 تا 79 پر

ہے۔ چونکہ یہ تقریر انگریزی زبان میں تھی، لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیا جائے تاکہ نفعِ عام کا ذریعہ ہو جائے۔ لہٰذا ۲۴ شوال المکرم ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعۃ المبارک تقریباً تین بجے اس کا ترجمہ شروع کیا جو بحمدہٖ تعالیٰ ۲۹ شوال، ۱۴۳۲ھ، بمطابق ۲۷ ستمبر ۲۰۱۱ء، بروز منگل بوقتِ عشاء مکمل ہوا۔ جبکہ نظرِ ثانی کا کام جمعۃ المبارک، ۱۴ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ، ۱۱-۱۱-۱۱ تین بج کر بیس منٹ پر مکمل ہوا۔ اس میں کیے جانے والے کام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حتی المقدور ترجمہ کو آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
۲۔ آیاتِ قرآنیہ کو پھول دار بریکٹ میں، شاملِ متن کیا گیا ہے۔
۳۔ قرآنی آیات کا ترجمہ مشہور ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" سے کیا گیا ہے۔
۴۔ عربی عبارات (احادیث و اقوال) کو بمعہ اعراب و ترجمہ لکھا گیا ہے۔
۵۔ قاری کی دلچسپی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔
۶۔ تحریری اور ریکارڈ شدہ (Audio) خطاب دونوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔
۷۔ خطاب میں موجود مکرر جملوں کو شاملِ متن نہیں کیا گیا۔
۸۔ بعض مقامات کی تخریج بھی کی گئی ہے۔
۹۔ بعض اُمور کو کتاب سے حذف پایا جو کہ ریکارڈ شدہ (Audio) خطاب میں تھے، لہٰذا انہیں بھی شاملِ متن کر لیا گیا ہے۔
۱۰۔ جبکہ ایک جگہ شعر کے ایک مصرعہ کی تضمین حاشیہ میں بیان کی گئی ہے۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

ان سب کوششوں کے باوجود مترجم کو اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا پورا احساس ہے لہٰذا اس ترجمہ میں جو حسن وخوبی نظر آئے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اسکے رسول مکرم ﷺ کی نظر کرم اور بزرگانِ دین واولیائے کاملین خصوصاً مولانا انصاری اور آپ کے شیخ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے، اور اس میں جو غلطی یا خامی نظر آئے وہ مترجم کی طرف سے ہے اور اس سے مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بالکل بری ہے۔

آخر میں قارئین سے گذارش ہے کہ مترجم، اس کے والدین واساتذہ اور ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز کے ذمہ داران ومعاونین اور اُمتِ مرحومہ کو اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں۔

اللہ تعالیٰ زلتِ فکر وقلم سے محفوظ فرما کر اصابتِ فکر وقلم عطا فرمائے، آمین!

بجاہ النبی الأمین ﷺ

الراجی الی لطف ربہ الغنیبی

حامد علی علیمی (غفر لہ ولوالدیہ)

15 فروری 2012ء، بروز بدھ

خطبۂ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَحَبِیْبَنَا وَشَفِیْعَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الَّذِیْ اُرْسِلَ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً وَّاِلَی الْخَلْقِ عَامَّۃً بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ[1]۔

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ شَاْنِ حَبِیْبِہٖ: ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَاَنْعِمْ وَزِدْ وَتَفَضَّلْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِ السَّادَاتِ وَاَفْضَلِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَشْرَفِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَحْسَنِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَکْرَمِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَجْمَلِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَکْمَلِ الْمَوْجُوْدَاتِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

---

1. ترجمہ: "تمام خوبیاں اللہ کو، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے بُرے اعمال سے، جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کرے اسے کوئی راہ دینے والا نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کے اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار، ہمارے نبی، ہمارے محبوب ہمارے شفیع اور ہمارے آقا محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں تمام انسانوں اور تمام کائنات کے لیے خوشخبری دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر قیامت سے پہلے بھیجا گیا"۔

عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْأَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْمَلٰٓئِكَةِ الْمَعْصُوْمِيْنَ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْعِبَادِ الصَّالِحِيْنَ ۝[2]

أَمَّا بَعْدُ: لَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ كَلَامِهِ الْقَدِيْمِ الْعَظِيْمِ:

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾[3]

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَبَلَّغَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْحَبِيْبُ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ.

موضوع کا تعارف:

میرے دینی بھائیو اور بہنو! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَبَرَكَاتُهٗ

---

2 اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کی شان میں فرماتا ہے: ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو! اُن پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔ (سورۂ احزاب، آیت: 56)

"اے اللہ درود وسلام، انعام، خوب رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اُن پر جو تمام سرداروں کے سردار، تمام موجودات (کائنات) میں سب سے افضل، سب سے زیادہ شرف والے، سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ عزت والے، سب سے زیادہ جمیل اور سب سے زیادہ کامل ہیں، یعنی ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ اُن پر، تمام نبیوں اور رسولوں پر، تمام معصوم فرشتوں پر اور تمام نیک بندوں پر رحمت نازل فرمائے"۔

3 اللہ تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں ارشاد فرماتا ہے ترجمہ: "محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے، کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل"۔ (سورۂ فتح: آیت: 29)

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا صدقِ دل سے شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہاں Chatsworth (ڈربن، جنوبی افریقہ) آنے اور یہاں آپ لوگوں سے ملنے کا موقع عطا کیا اور یہ سعادت دی کہ میں آپ لوگوں تک آج رات وہ پیغام پہنچاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے انسانیت تک پہنچایا تھا، اسلام کا عالمگیر پیغام جسے تقریباً چودہ سو سال پہلے دیا گیا، ایک ہمہ جہتی پیغام تھا۔ یہ اُن رہنما اصولوں پر مشتمل ہے جو نہ صرف دنیا میں ایک کامیاب زندگی کے لیے ہیں بلکہ اخروی زندگی کی سرخ روئی کے لیے بھی ہیں۔

ہدایت نبوی کی جامعیت:

پھر وہ ہدایت جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے کہ جس کا تعلق دنیاوی زندگی کی کامیابی سے ہے، وہ انسانی زندگی کے کسی مخصوص پہلو میں محدود نہیں، بلکہ وہ ایک نہایت جامع ہدایت ہے۔ یہ ہدایت جہاں روحانی اور اخلاقی پہلوؤں کی طرف رہنمائی کرتی ہے اسی لمحہ معاشی، سیاسی اور انسانی زندگی کے اُن تمام پہلوؤں کی طرف رہنمائی بھی کرتی ہے جن کا تعلق فرد اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرہ سے ہے۔ جب ہم فرد اور معاشرے کی خوشحالی، امن اور ترقی کا راز جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اِن کا حل نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

کلمۂ شہادت کی حکمت:

آپ ﷺ نے ایک بنیادی اساس بنائی جو دو اصولوں پر مشتمل ہے اور وہ کلمۂ شہادت میں ہیں: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، (ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد، اللہ کے

رسول ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم)۔ کلمۂ شہادت جس فلسفہ و حکمت کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ بہت وسیع اور گہری ہے، اس کو عملی اعتبار سے اچھی طرح سمجھنے کے لیے شعور کی ضرورت ہے جیسا کہ علمائے اعلام نے اس کی وضاحت کی ہے۔ یہ کلمۂ شہادت ہی ہے جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں خود سے منقسم ہوتا ہے اور فکر کے ساتھ ساتھ عمل کے میدان میں بھی ایک متحدہ ہدایت (Unified guidance) فراہم کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس تعلق سے ایک نہایت اہم نکتہ جسے آج رات میں یہاں بیان کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ کوئی بندہ محض ایک مخصوص مجموعۂ اعمال کے کرنے سے مسلمان نہیں ہوتا، یا کوئی بندہ رسا چند مخصوص چیزوں پر نام کا ایمان رکھنے کے اعلان سے مسلمان نہیں ہوتا۔ مسلمان در اصل ایک زائرِ آخرت (Pilgrim of Eternity) ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہستی یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مشاہدے اور اپنی ذات کو اُسی بنیاد پر ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔

جب تک بندہ اپنے اندازِ فکر و عمل کے رجحان کو مکمل طور پر زندگی کی مختلف اقدار کی طرف نہ کرلے، وہ محض کلمۂ شہادت پڑھنے سے کامل یا حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں ہو سکتا۔ کلمۂ شہادت ایک معمول بن گیا ہے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے تو والدین اُسے بغیر قاعدے قانون (گرامر) کے اپنی زبان بولنا سکھاتے ہیں، اس سلسلے میں وہ بچے کو کئی مرتبہ الفاظ کی تکرار کراتے ہیں بچہ غلطی کرتا اور اٹکتا ہے، درست طریقے سے نہیں بول پاتا جیسا اُس کے والدین چاہتے ہیں، مگر والدین ہمت نہیں ہارتے، مختلف مواقع پر ان الفاظ کی تکرار کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ بچہ بغیر گرامر سیکھے اپنی ہمت کے مطابق درست زبان بولنا سیکھ لیتا ہے۔ میرے عزیز

دوستو! بالکل اسی طرح کا معمول "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ" کے ساتھ ہوا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ رسماً بغیر معنی سمجھے کلمۂ شہادت کہنا بے کار ہے، براہِ کرم اسے غلط مت سمجھیے گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ "مقصد" نہیں ہے۔ ہر سفر کے لیے نقطۂ آغاز، ذریعہ یا سواری اور ایک منزل ہوتی ہے۔ کلمۂ شہادت کا نقطۂ آغاز اسے اچھی نیت اور مکمل ہوش میں پڑھنا ہے، وہ "سواری" جس کے ذریعے یہ سفر بحیثیت "زائرِ آخرت" کیا جاتا ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہے، جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ترجمہ: "بے شک تمھیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے"۔ (سورۂ احزاب، آیت: 21)

یہ ہے آخرت کی سواری۔ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی ہے ہم میں سے ہر ایک راہِ آخرت پر ہے۔ مسلمان، ہندو، عیسائی اور دہریے تمام پر ایک محفوظ قانون (Immutable Law) کے ذریعے حکومت کی جا رہی ہے۔ انھیں یہاں زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت، ایک مخصوص عمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ سب کو قدم بڑھانا ہے قطع نظر اس سے کہ وہ یہ عمل درست کریں یا نہیں، اس دنیا میں ہدایت یافتہ رہیں یا گمراہ، سیدھے راستے پر رہیں یا غلط راستے پر، پھر بھی انھیں آگے بڑھنا ہے وہ کسی صورت پیچھے نہیں رہ سکتے، کیونکہ قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝﴾ ترجمہ: "ہم اللہ کے مال ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف پھرنا ہے"۔ (سورۂ بقرہ، آیت: 156)

یہ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ ... الخ﴾ یعنی بڑھنا صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ اِس میں سب شامل ہیں ﴿طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ رضامندی سے ہو یا مجبوری کے تحت، ہر انسان، اُس دن اور موقع کی طرف بڑھ رہا ہے جہاں اُسے اپنے خالق کے حضور کھڑے ہو کر اپنا

حساب دینا پڑے گا۔ یہ دنیا اُسی کی ہے کیونکہ وہی اس کا خالق اور تنہا مالک ہے کوئی اس کا شریک نہیں کیونکہ وہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہے۔ لہٰذا جب وہ اس دنیا کا مالک ہے تو تمام انسانوں کا مالک ہے اور تمام انسانوں کے مقدر (Destiny) کا بھی مالک ہے۔ انسانوں کا یہ پورا کاروان اُسی کی طرف رواں دواں ہے، یہ رُک نہیں سکتا، چاہے ہندو ہو یا مسلمان، عیسائی ہو یا دہریہ، ہر ایک اسی کی طرف بڑھ رہا ہے ﴿اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾۔

حقیقت میں مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ اور دوسرے انسانوں کو اُن اصولوں پر پرکھنے سے آگاہ ہیں جو ہمیشہ بیک وقت پائے جاتے ہیں اور وہ اچھائی اور بُرائی کا اصول ہے، ہم اپنی فطری تشکیل کی وجہ سے بُرائی کی مذمت کرتے ہیں، جب بھی ہمیں کچھ بُرائی دکھائی دیتی ہے ہم اس کی مذمت کرتے ہیں اور جب ہمیں کچھ اچھائی دکھائی دیتی ہے تو ہم اسے پسند کرتے اور اس کی تعریف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ترجمہ: "اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑ بنائے تاکہ تمہیں نصیحت ہو"۔ (سورۂ ذاریات، آیت:49)

دن آتا ہے پھر رات آتی ہے، یہ فرق نظر آتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ ترجمہ: "اللہ بدلی کرتا ہے رات اور دن کی، بیشک اس میں سمجھنے کا مقام ہے نگاہ والوں کو"۔ (سورۂ نور، آیت: 44)

یہ "سمجھ" (عبرت) ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو ہنکائے ہوئے بہرے یا اندھے ریوڑ کی طرح چلنا چاہتے ہیں، بلکہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ زندگی کا انجام کار کیا ہے کہ جسے

معقول طریقے سے انسان کا صحیح مقدر تسلیم کیا جا سکے۔ ان لوگوں کے لیے اس دُہرے اصولِ فرق میں عبرت ہے۔

دن روشن ہوتا ہے اور رات تاریک، دن آگے بڑھاتا اور دوسرے دن کے کام کی طرف توجہ کرنے کے لیے قوتِ حیات اور ولولہ لاتا ہے۔ جب سورج غروب ہوتا ہے تو تیں کم ہونے لگتی ہیں اور یہ فطرتِ انسانی ہے کہ وہ ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جہاں وہ رات بھر پناہ لے سکے۔ تمام مخلوق جیسے مویشی، پرندے یہاں تک کہ پودے بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ دن کا وقت کام کا ہے اور رات کا وقت آرام کرنے کا۔ اللہ تعالیٰ واضح طور پر قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝﴾۔ ترجمہ: "اور رات کو پردہ پوش کیا، اور دن کو روزگار کے لیے بنایا"۔ (سورۂ نبأ، آیت: 9-10)

نتیجتاً بچہ، روشنی اور تاریکی، خوشی اور غمی، صحت اور بیماری، زندگی اور موت، امیری اور غریبی کے دو اصولوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ انسان کو اپنی زندگی ان دو متضاد اصولوں کا غلام بن کر گزارنی پڑتی ہے۔ خوشحالی کی حالت میں انسان کو جب اپنے کاروبار یا اور کسی کام میں دوسروں کی طرف سے رفاقت، محبت اور شفقت ملتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اسے "اچھائی" کہتا ہے، جب اُسے اس کے برخلاف ملتا ہے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور اسے "بُرائی" کہتا ہے۔ اچھائی اور بُرائی ہمیشہ پوری زندگی ساتھ ساتھ چلتے ہیں تاکہ ایک انسان کے لیے صرف اُس چیز کا سامنا ممکن ہو جسے وہ اچھائی تصور کرتا ہے۔ اُسے برائی کا مزا بھی چکھنا ہے۔ یہ ایک انسان کے لیے ناممکن ہے کہ اُسے ہمیشہ بُرائی پہنچے اور کبھی اچھائی کا مزا نہ چکھے۔ یہ خدا کی اچھی دنیا ہے، بُرائی اچھائی

پر کبھی اس طور سے غالب نہیں آ سکتی کہ اسے مکمل طور پر ختم کر دے۔ میں یہاں ایک انتہائی اہم نکتہ کی طرف آرہا ہوں، یہ فلسفہ نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کا حصہ ہے۔

اپنے آپ کو سمجھنا:

ہمارے سارے نہیں تو اکثر غموں کی وجہ ہمارا "اپنے آپ اور ماحول" کو غلط سمجھنا ہوتا ہے، خوب غور کریں تو معلوم جائے گا۔ ایک شخص کے لیے زندگی کے اچھے پہلوؤں پر غلبہ پانا اس وقت تک آسان ہے جب تک وہ اسے خوش کریں۔ مگر ایک شخص کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ دوسروں سے اچھائی کا معاملہ کرے کیونکہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے "خود غرض" ہے۔ انسانی خود غرضی، اس زندگی میں عدم تحفظ سے نکلتی ہے۔ اگر اسے تحفظ ہوتا، وہ کبھی کسی حال میں بھی خود غرض ہونا پسند نہ کرتا۔ مگر بنیادی طور پر اُسے خود غرض ہونا پڑتا ہے، کیونکہ اگر وہ ہر وقت تحفظ میں نہیں تو اس کا سامنا ہمیشہ غیر معلق آفت یا برائی سے رہے گا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر انسان بشمول مسلمان، جنہیں حسن سلوک کرنا چاہیے، بحیثیت انسان اپنے اُس مقصد (Mission) کو سمجھنے سے قاصر ہیں جو اچھائی اور برائی کے معنوں میں یہاں ملتا ہے۔ اگر کسی شخص کو دوسرے شخص سے کوئی برائی پہنچے، تو اس کا فوری رد عمل، حیوانی نفس کے زیر اثر، طیش میں آنا ہوتا ہے۔ حیوانی نفس، خواہش شہوات کی نشست ہے۔ مثلاً "چونکہ میری توہین کی گئی ہے، لہٰذا میں کسی بھی ممکنہ طریقہ سے بدلہ لوں گا"، یہ حیوانی نفس کی طلب ہے۔ اسی وجہ سے فرد کی اپنی نجی اور معاشرتی زندگی میں برائی آتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے مختلف بات ارشاد فرمائی جو عموماً ہم اپنے حیوانی نفس کے زیر اثر محسوس کرتے ہیں۔ آپ نے

فرمایا: "غصہ ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو"۔ آپ ﷺ نے یہ بڑا واضح اصول دیا ہے۔ مگر میں نے اپنے دنیا کے گرد سفر میں، اپنے ملک میں بھی کچھ "بہت اچھے مسلمانوں" کو دیکھا ہے جو اس اصول پر عمل نہیں کرتے اور اپنے غصے میں آپے سے بڑھ جاتے ہیں، جوں ہی موقع ملتا ہے اپنے غصے کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔ وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ یہاں وہ کلمہ شہادت کے اعلان کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ یہ اچھائی اور برائی کا اصول، اس زمین پر انسانی زندگی کی ابتداء سے ہے۔ ہر دانا شخص یا نبی نے جو چاہے انڈیا میں آیا، افریقہ میں یا یورپ میں، کبھی برائی کے مقابلے میں برائی کی حمایت نہیں کی۔

خطبۂ الجبل۔۔۔!

آپ انسانیت کے راہبروں کو بہت مثالیت پسند (Idealistic) ہوتا پائیں گے۔ کبھی کبھار اس درجہ تک جہاں وہ بے عقل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خطبۂ الجبل پر غور کریں جس پر ہمارے عیسائی دوست بہت فخر کرتے ہیں اور اس میں شامل اصولوں کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "امن کا شہزادہ" (Prince of Peace) کہتے ہیں۔ مگر مجھے شک ہے کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باقاعدہ اس کی تبلیغ بھی کی تھی، کیونکہ اگر ہم اس کو حرف بہ حرف لیں تو ہم اسے ایک غیر معقول چیز پائیں گے۔ خطبۂ الجبل میں لوگوں کو بتایا گیا کہ "اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دو اور اگر کوئی تم پر دعویٰ کر کے تمہارا کُرتا ہتھیا لینا چاہے تو اپنا چوغہ بھی اس کے حوالے کر دو۔۔۔"۔ یہ ہے خطبۂ الجبل کی تعلیم! لیکن بہر حال یہ جو اتنی شاندار، مثالی اور بہتر

معلوم ہوتی ہے، یہ فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ ممکن ہے اگر وہ شخص اخلاقی بلندی پر پہنچ جائے اور کوئی اُس کے گال پر طمانچہ مارے، تو وہ اُسے معاف کر سکتا ہے مگر اُسے اپنا دوسرا گال بھی پیش کرنا، پھر اس کے بعد سیدھا گال پیش کرنا اور اس طرح بار بار اپنا گال پیش کرنا، فطرتِ انسانی کے خلاف ہے! ہاں یہ بالکل فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ ممکنہ چیز صرف کسی توہین، نقصان یا دی گئی ایذاء کو معاف کر دینا ہے۔

معاف کر دینا ہمیشہ سے وہ ہدایت رہی ہے، جس نے عقل مند لوگوں کو، انسانوں سے وہ تمام غم اور اذیتیں دور کر کے امن وامان لانے کی طرف بڑھایا، جو ان میں جھگڑے کے نتیجے میں آئیں۔ یہ جھگڑا ہونا انتہائی فطری چیز ہے، ہر انسان جھگڑے کا سامنا ضرور کرتا ہے اس لیے کہ ہر آدمی محدود شخصیت (Bottled-Personality) رکھتا ہے۔ تمام انسان باہمی طور پر ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔ دو انسان بھی ایک دوسرے کی طرح نہیں ہوئے تو نتیجتاً ان دونوں میں ٹکراؤ ضرور ہوتا ہے۔

یہاں ایک اخلاقی اصول آتا ہے کہ ایک مسلمان کو کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے یہ اُصول اس نقطۂ نظر سے ہے جو آیت میں نے تلاوت کی: ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ ترجمہ: "اور ان کے ساتھ والے، کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل"۔ (سورۂ فتح: آیت: 29)

یعنی: یہ مسلمانوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے نرمی کا پیکر ہوتے ہیں، اگر وہ اس طرح کا سلوک نہیں کرتے تو وہ مسلمان نہیں ہیں، جو چاہیں وہ کر سکتے ہیں، کیونکہ قرآن کریم، ایک مسلمان کی صفات واضح طور پر ممتاز کرنے کے لیے بیان کرتا ہے اور ایک کافر کی بھی، یہ قرآن کریم ہے جو مسلمانوں

کی صفات بتاتا ہے جن کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں مسلمانوں کی طرح سلوک کر رہا ہے۔ قرآن کریم نے اسے ہماری من چاہی فکر، ہمارے اندرونی رو عمل یا ہمارے خاص طرزِ فکر و عمل پر نہیں چھوڑا۔

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! میں یہاں اس بات کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ جو تعلیم قرآن کریم نے ہمیں دی ہے، انتہائی معقول ہے۔ اس نے انسانوں کے اخلاقی انداز کے مختلف درجات کو زیرِ غور لیا ہوا ہے اور یہ تمام انسانوں سے اس طرح کا معاملہ نہیں کرتی جیسے خطبۃ الجبل کرتا ہے: "اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر طمانچہ مارے۔۔۔"۔ یہاں لفظ "تمہارے" تمام انسانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

قرآن کا قانونِ مساوات:

تاہم قرآن کریم اُن اختلافات سے باخبر ہے جو انسانوں میں اُن کی اخلاقی اور روحانی ترقی سے متعلق ہیں، یعنی ان کے اُس اندرونی مزاج کی حدود، جو اکثر طبعی ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلا اصول جسے قرآن کے ذریعے بنایا گیا وہ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ ترجمہ: "اور برائی کا بدلہ اُسی کی برابر برائی ہے"۔ (سورۂ شوریٰ، آیت: 40)

اگر کوئی آپ کو ایک مرتبہ طمانچہ مارتا ہے تو آپ اُسے جواباً مار سکتے ہیں، اس کی اجازت ہے۔ یہاں قرآن عدل کے کٹہرے میں، مساوات کے قانون کی بات کر رہا ہے، نہ کہ ذاتی معاملاتِ انسانی۔ یہ مساوات کا قانون اُس درجہ سے متعلق ہے جہاں متعلقہ فریقین آپس میں اپنا معاملہ طے نہیں کر پاتے بلکہ معاملہ کو کٹہرے (Court) میں لے کر آتے ہیں۔ پھر ستم زدہ فریق کو تسلی دینے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس نے برابر کا بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ دوسرے حصے میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَمَنْ

عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ ترجمہ: "تو جس نے معاف کیا اور کام سنوارا تو اس کا اجر اللہ پر ہے بیشک وہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو"۔ (سورۂ شوریٰ، آیت: 40) یہاں قرآن کریم نے جھگڑے کا حل دو سطحوں پر دیا ہے:

(۱) مساوات، یعنی برابر کا بدلہ لینا،

اور (۲) معاف کر دینا، یہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں زیادہ قابل تعریف ہے۔

پھر قرآن کریم اس سے آگے جاتا ہے اور ان لوگوں کے لیے قانون بناتا ہے جو بحیثیت انسان ایک اعلیٰ مرتبہ کی آرزو رکھتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝﴾ ترجمہ: "اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی اے سننے والے! برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی، ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست"۔ (سورۂ فصلت، آیت: 34)

روشنی اور تاریکی ایک ہی درجہ کی نہیں ہیں۔ آپ تاریکی کا مقابلہ تاریکی سے نہیں کر سکتے۔ اسی لیے حکم ہے کہ "برائی کا مقابلہ بھلائی سے کرو"۔ اگر کسی کا مقابلہ تاریکی سے ہو تو وہ روشنی کا ذریعہ فراہم کرنے کی کوشش کرے۔

جب کوئی آپ کے ساتھ کچھ برا کرے تو آپ کچھ اچھا کرنے کی کوشش کریں، جو آخر میں دوستی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ ہمیں تنبیہ فرما رہا ہے کہ بدی کا مقابلہ نیکی سے کرنے والا رویہ، ہر کوئی اختیار نہیں کر سکتا بلکہ ﴿وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝﴾ ترجمہ: "اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے

نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا"۔ (سورۂ فصلت، آیت: 35)

وہ شخص جو صبر، وقار، سکون، استقلال اور برداشت کی صفت رکھتا ہے وہی اکیلا اس راہ پر چل سکتا ہے، میں آپ کو دوبارہ یاد دلاتا ہوں کہ قرآن کریم میں ایک تعلیم بھی ایسی نہیں جس پر مسلمانوں کا عمل نہ رہا ہو۔ یہ "خطبۂ الجبل" کی طرح نہیں ہے کہ جس کے بارے میں کوئی یہ ثبوت بھی نہیں دے سکتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے در حقیقت اس پر خود عمل بھی کیا تھا! اسلام نے جو کچھ سکھایا، وہ ایک، دو یا زیادہ افراد کا نہیں بلکہ ان سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں کا معمول رہا جنہوں نے اسلامی تعلیمات کی ایک بہترین مثال قائم کی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کردار:

اس تعلق سے میں آپ کو حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے ایک مثال دیتا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ گیر عالم دین، بڑے مفکر اور علمائے کرام کے سردار تھے، نتیجتاً کچھ لوگ آپ کے حاسد بن گئے اور انہوں نے ایک بُرے شخص کو ماہانہ وظیفہ پر اس لیے مقرر کیا تا کہ وہ امام صاحب کو ان کے گھر آنے جانے والے راستہ پر برا بھلا کہے۔ یہ شخص امام صاحب کو مسلسل ذہنی اذیت دیتا رہا۔ فطری طور پر ایک قد آور شخصیت ہونے کی وجہ سے امام صاحب نے جواباً اُسے برا نہ کہا۔ آپ کے حاسدین نے ذہنی اذیت کا یہ طریقہ اختیار کیا، کہا جاتا ہے کہ یہ برا بھلا کہنے کا سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا، تاہم ایک دن جب امام صاحب اپنی مجلس سے واپس آ رہے تھے تو وہ شخص وہاں نہ تھا۔ چونکہ یہ شخص آپ کا پڑوسی تھا لہٰذا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے گھر سے معلوم کروایا تو پتہ چلا کہ وہ جوئے کا لین دین کرتے ہوئے پکڑا گیا

اور اب قید میں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فوراً تھانے پہنچے اور پولیس افسر سے اپنے ایک بہت اچھے دوست کے بارے میں پوچھا، جو وہاں قید تھا۔ پولیس افسر حیران ہوا کہ اس عظیم امام کا کوئی دوست جیل میں ہو سکتا ہے! اس کی یہ حیرانگی مزید بڑھ گئی جب اُس نے قیدی کا نام سنا۔ پولیس افسر بولا: ہم کئی عرصے سے آپ کو بُرا بھلا کہنے والے اس شخص کو گرفتار کرنے کا انتظار کرتے رہے اور آپ اسے اپنا دوست کہتے ہیں؟ امام صاحب نے تصدیق کی کہ وہ میرا ہی دوست ہے، لہٰذا اس شخص کو امام صاحب کی سفارش پر رہا کر دیا گیا۔ جیسے ہی وہ شخص تھانے سے باہر آیا امام صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "میں بہت معذرت خواہ ہوں کہ تم مجھے مزید نیکیاں نہیں دے سکو گے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ تم اپنا کام فوراً شروع کر دو گے"۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور امام ابو حنیفہ کے قدموں میں گر کر معافی مانگی۔ پولیس افسر نے امام صاحب سے پوچھا کہ آپ کو بُرا بھلا کہنے والا آپ کا دوست کیسے ہو سکتا ہے؟ سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قانونِ الٰہی سکھایا ہے کہ اگر کوئی شخص تمہیں زخم یا گالیاں دیتا ہے تو تمہیں اس کے بدلے (حشر میں) اس شخص کی نیکیاں ملتی ہیں، اور اگر نامۂ اعمال میں نیکی نہ ہو تو پھر عام نامۂ اعمال سے۔ اس طرح کمانے کے لیے سب سے بلند چیز نیکیاں ہیں، اسی لیے اس سے بڑھ کر کون دوست ہو سکتا ہے! جو تمہیں روزانہ نیکیوں کا تحفہ دے، یہ نیکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی رحمت ہیں۔

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! اسے کسی دوسرے قصہ کی طرح نہ لیں۔ اچھائی اور برائی کے درمیان جھگڑے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمیں

بتایا ہے اور اس کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس رویہ کو "اسلامی" تصور کرتے ہیں، اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ آج کل کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں کھڑے ہو کر سلام پڑھے وہ "مشرک" ہے۔ جو فلاں کام، فلاں طریقہ سے کرے "کافر" ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی مسلمان کے اخلاق کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا جب کہ یہی تو "اسلام کی بنیاد" ہے۔ کوئی مسلمانوں کو نہیں بتاتا کہ ان کا روزانہ کا رویہ یوں ہونا چاہیے اور یہ صفات ان میں ہونی چاہئیں۔

اخلاقِ مسلمانی۔۔۔!

مسلمان کی صفات، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہیں، بہت سی ہیں، میں سب نہیں بتا سکتا بس آپ کو چند مثالیں دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝﴾ ترجمہ: "اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام"۔ (سورۂ فرقان، آیت: 63)

یعنی: وہ لوگ جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے شکر گزار واحسان مند ہوتے ہیں اور سب کے لیے نیک خواہش رکھتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اس نسیم سحر کی طرح ہیں، جو کلیوں کو پھولوں کی مسکراہٹ دیتی ہے اور انسانوں کے لیے خوشبو، حیات، خوشی اور امن لاتی ہے، یہ ہے مسلمان کا کردار۔۔۔!

ہر معاشرے میں آپ کچھ لوگوں کو دیکھیں گے جنہیں قرآن "جاہل" کہتا ہے۔ یہ صرف جاہلوں کا کام ہے کہ وہ برائی شروع کریں۔ جب حقیقی ایمان والوں کا ان جاہلوں سے سامنا ہوتا ہے، تو وہ ان لوگوں سے نہیں الجھتے۔ کہتے ہیں: اگر تم مجھے بُرا

کہو گے تو میں تمہیں بُرا کہنے والا نہیں، اگر تم چلاؤ گے تو میں جواب میں نہیں چلاؤں گا۔ میرا مقصد بحیثیت ایک مسلمان "سلامتی" ہے نہ کہ شور شرابوں اور جھگڑوں میں پڑنا۔ یقیناً اس کے بعد اور صفات بھی بیان کی گئی ہیں، جو یہ ہیں کہ ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۝﴾ ترجمہ: "اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں"۔ (سورۂ فرقان، آیت: 72)

میں نے بہت سی صفات میں سے صرف ایک بنیادی پہلو بیان کیا ہے، جسے اسلامی زندگی کے تعلق سے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔

مجھے افسوس ہوتا ہے جب میں ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے، ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جاتا ہوں یہاں تک کہ اپنے ملک میں بھی، اور دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ خصوصاً جو ظاہری طور پر "بڑے مذہبی" تصور کیے جاتے ہیں، ان لوگوں میں وہ بھی ہیں جو زمین پر سب سے زیادہ بڑے فسادی ہوتے ہیں۔ لوگ اسلام کو فساد کا ایک آلہ بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ معاشرہ تباہ ہو کر مختلف جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اور معاملات مقدموں اور کورٹ کچہری کی حد تک پہنچ جاتے ہیں، یہ سب کچھ ہو رہا ہے جسے میں نے دیکھا ہے۔

میں اب تک ایسے مسلمانوں سے ملنا چاہتا ہوں جو اپنے ذاتی کردار کی بہتری اور اس کے ذریعے پورے معاشرے کے اخلاقی رویے کی بہتری کے لیے فکر کرتے ہیں تا کہ خوشی اور امن وسکون ہر مسلمان کے گھر اور دل میں آسکے۔

رسول اللہ ﷺ سراپا اسلام ہیں:

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! یہ اچھا وقت ہے کہ ہم موقع کو غنیمت جانیں، نبی

کریم ﷺ نے واضح طور پر یہ مقرر فرما دیا ہے کہ اعلیٰ اخلاق، ایمان کا پیمانہ ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: (أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا)[4]۔

ترجمہ: "کامل ایمان والا مسلمان وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں"۔ میں چلتے ہوئے آپ کو یاد دلاتا چلوں، یقیناً اس پر مکمل گفتگو کے لیے ایک وقت درکار ہے، کہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس "سراپا اسلام" ہے اور صرف آپ علیہ السلام ہی کی اتباع کرنا "اسلام" ہے، آپ ان کی زندگی کے بارے میں پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ آپ علیہ السلام سخت اذیت میں رہے، تاہم کبھی آپ علیہ السلام نے کسی کو بُرا نہیں کہا، نہ ہی آپ کے دستِ مبارک سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی۔

یاد رہے! آپ علیہ السلام نے ہی اکیلے لشکر اسلام کی قیادت، مشرکین مکہ کے خلاف غزوہ بدر، اُحد اور حنین وغیرہ میں کی۔ ان دنوں سپہ سالار (Commander In-chief) ہمیشہ نشانہ پر اور سب سے آگے ہوتا تھا، کیونکہ وہ لڑائی فرداً فرداً ہوا کرتی تھی، آج کی طرح نہیں کہ جہاں سپہ سالار میدان جنگ سے ہزاروں میل دور بیٹھتا اور حکم دیتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ، مشرکین کا بنیادی ہدف ہوتے تھے کیونکہ مشرکین جانتے تھے کہ اگر وہ آپ علیہ السلام کو شہید کر دیں تو "تحریک اسلام" ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ ان لوگوں کی تمام تلواریں، تیر اور نیزے کھلے میدان جنگ میں آپ علیہ السلام کی جانب ہوا کرتے تھے۔

یہاں یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے جسے مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگرچہ بنیادی طور پر حملہ صرف آپ علیہ السلام کی ذات پر ہوتا تھا، پھر بھی آپ علیہ السلام

---

4. ملاحظہ ہو سنن ابی داود، رقم الحدیث: 4062، وجامع الترمذی، رقم الحدیث: 1082، 2537۔

ہمیشہ اپنا دفاع کیا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کی تلوار نے کبھی آپ کے دشمن کو تکلیف نہ دی۔ یہاں تک کہ خراش بھی نہیں دی اپنا دفاع کرنے کا یہ طریقہ تھا۔ آپ علیہ السلام کی شخصیت ایسی ہے کہ جن کے بارے میں یہ محفوظ کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی زبان اقدس یا دست مبارک سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچی۔ بُرے سے بُرے، تکلیفی اور اذیت کے مواقع پر بھی نہیں، آپ علیہ السلام کے چہرے سے کبھی مسکراہٹ دور ہوئی اور نہ کبھی زبان مبارک کی شیرنی تبدیل ہوئی۔ یہ ہے عظمت انسانی! یہ ہے مثال جو آپ علیہ السلام نے ہمارے لیے قائم کی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ مجھ سمیت آپ سب اسلام سے سچی محبت کرتے ہیں، ہم منافق نہیں ہیں، دنیا کی کوئی طاقت ہمیں مسلمان نہیں کہہ سکتی جب تک ہم خود بھی نہ چاہیں، ہمارے دلوں میں محبت ہے، مگر میرے عزیز بھائیو اور بہنو! براہ کرم اسلام جس چیز کو لے کر آیا ہے اس پر عمل کرنا سیکھیں۔ یہ صرف مذہبی رسومات کے لیے نہیں ہے۔ یہ بنیادی طور پر اس لیے ہے کہ ہمیں ایک چھوٹی شخصیت سے ایک عظیم اخلاق و کردار والے انسان میں تبدیل کر دے۔ ایک اردو شاعر یوں کہتا ہے:

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا[1]

"ایک شیر کو مارنا آسان ہے بہ نسبت اپنے غصہ کو قابو میں کرنے سے"۔ یہ فوراً ایک زور دار طوفان کی صورت میں بدل جاتا ہے اور آپ کا ہاتھ یا زبان حرکت میں آ

---

[1] اس کا پہلا مصرعہ نہیں ملا، تاہم یہ تضمین مناسب معلوم ہوتی ہے:

ہیں گرچہ اور بھی موذی انہیں مارا تو کیا مارا! بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے ہزاروں مرتبہ سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

جاتی ہے۔ آپ کا دشمن کہتا ہے: تم پر ایک مرتبہ لعنت ہو"۔ آپ کہتے ہیں: تجھ پر لاکھ مرتبہ ہو"۔ اگر وہ آپ کو اپنا ہاتھ دکھاتا ہے تو آپ ڈنڈا لے کر اُس کے سر پر دے مارتے ہیں، یہ ہے نفس امارہ! جو اس نفس امارہ کو سدھار نہیں سکتا وہ صرف ایک نام کا مسلمان ہے۔ وہ حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں کیونکہ وہ اس "مقصد" کو حاصل نہیں کر رہا جو اسے بحیثیت ایک مسلمان دیا گیا ہے۔

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! اسلامی طرزِ حیات ایک بلند "روحانی تصور" پر قائم کی گئی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے زندگی گزارنا، نہ کے کسی دنیاوی فائدے یا نقصان کے لیے، اللہ تعالیٰ کے لیے زندگی گزارنا جو سبحان اور قادرِ مطلق ہے اور اُس ہستی کی اتباع کے لیے جینا جن کے جیسا عظیم انسان، پوری کائنات میں پیدا نہیں ہوا، یعنی نبی کریم ﷺ۔ یاد رکھیے! آپ نے اس نام کو اٹھانا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے عظیم ہیں یہ "خلیفۃ اللہ فی الکونین" ہیں، وہ ہستی کہ اُن سے بڑا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ ہم اور آپ سب پر یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ اگر ہم کچھ بُرا کریں گے تو لوگ کہیں گے کہ یہ ہے نبی کریم ﷺ کو ماننے والا! کیونکہ اس سے نہ صرف ہم اپنی عزت کو نقصان دیںگے بلکہ نبی اکرم ﷺ کے مقدس نام کو بھی، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایسا جرم ہے جسے اللہ تعالیٰ بھی آسانی سے معاف نہیں کرے گا۔ وہ تمام جُرم معاف کر سکتا ہے، مگر وہ فرماتا ہے کہ اُس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں ادنیٰ سی گستاخی کرنے سے وہ تمہارے تمام نیک اعمال اکارت کر دے گا۔ تو اس پہلو سے آگاہ ہو جائیں اور اپنے اخلاقی رویہ کے معاملہ میں بہت محتاط ہو جائیں۔

براہ کرم ہمیشہ کے لیے سمجھ لیں کہ اسلام محض مذہبی رسومات کی ورزش یا مختلف الرائے فرقہ بندی کی مشق نہیں کیونکہ یہ ہرگز اسلام نہیں نہ ہی اسلام اس لیے آیا ہے۔ اسلام کا مطلب اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے شدید محبت ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ شدید محبت، آپ کی زندگی میں بصورت تبدیلی ظاہر ہونی چاہیے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان آپ علیہ السلام سے محبت کیا کرتے تھے اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ وہ عام بربری انسان سے مافوق البشر (Super-man) انسان بن گئے، جن کے لیے فرشتے آیا کرتے اور ان کے لیے پر بچھاتے تھے، یہ نبی کریم ﷺ کی محبت نے انہیں دیا!

ہم بھی آپ علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں، مگر ہمیں بھی سمجھنا چاہیے کہ اس محبت کے کیا تقاضے ہیں اور کس طرح اس محبت کا اظہار کیا جانا چاہیے۔ یقیناً اس کا اظہار آپ علیہ السلام کو یاد کر کے کیا جانا چاہیے کیونکہ آدمی ہمیشہ اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے۔ جتنی زیادہ محبت ہو گی اتنا زیادہ یاد کرے گا۔ مثلاً میں یہاں جنوبی افریقہ میں ہوں اور میرے گھر والے کراچی میں، اب جتنی زیادہ محبت میں اُن سے کرتا ہوں اتنا ہی انہیں یاد کروں گا، اگرچہ میں دن رات مصروف رہتا ہوں، تاہم میں دن رات میں دسیوں دفعہ انہیں یاد کرتا ہوں، یہ ناممکن ہے کہ کوئی کسی سے محبت کرے اور اُسے یاد نہ کرے، یہ کس طرح ممکن ہے! یہ کس قسم کی محبت ہے! یعنی: اگر یہ محبت حقیقی ہے تو آپ اس کی یاد میں پاگل ہو جائیں گے۔ یہ کوئی رسمی چیز نہیں ہو سکتی جیسے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "او جی! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بھیجا جس طرح دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا، آپ علیہ السلام قرآن لے کر آئے، قرآن ہمیں دیا اور

وصال کر گئے اور اب ہم اُن کے بعد اُن کا کیا کریں؟"۔ یہ نہ اسلام ہے اور نہ ایمان۔ یاد رکھیے! ہم صرف نبی کریم ﷺ کو جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتے، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، مگر ہم اسے خود سے نہیں جانتے تھے، ہم کس طرح اُسے جان سکتے ہیں؟ ہم اس پر ایمان صرف اس لیے رکھتے ہیں کیونکہ آپ علیہ السلام نے ہمیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ پر اس کی صفات کے ساتھ اس طرح ایمان لاؤ، ہم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا لیکن آپ علیہ السلام نے دیکھا ہے۔ ہم کیسے کسی سے محبت کر سکتے ہیں جسے ہم نے دیکھا ہی نہیں ہو، لہٰذا اگر ہم نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں تو اسی لمحہ ہم اللہ تعالیٰ سے بھی محبت کرتے ہیں، کیونکہ آپ علیہ السلام نے ہمیں اپنی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے، یہی ایک راستہ ہے۔

اسی طرح کس نے بتایا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؟ میں کیسے کہتے ہوں مجھے کیا حق ہے؟ کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؟ لوگوں نے قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ کے مبارک ہونٹوں سے سنا ہے، لوگوں کے لیے یہ آپ علیہ السلام کا کلام ہے، مگر کیونکہ ہم آپ علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں اور انہیں ایک بالکل مخلص، مقدس اور سچا مانتے ہیں لہٰذا آپ علیہ السلام کے فرمان کو مانتے ہیں کہ ہاں قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ہم دین اسلام میں صرف نبی اکرم ﷺ کو جانتے ہیں، آپ علیہ السلام ہی اسلام میں ایمان کی بنیادی شخصیت ہیں۔ آپ کا ایمان اُن پر جتنا عمدہ ہو گا، اتنا ہی عمدہ آپ کا ایمان قرآن اور اللہ تعالیٰ پر ہو گا۔ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی نبی کریم ﷺ کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی قرآن

کریم کو نبی کریم ﷺ کے بغیر سمجھ سکتے ہیں۔ جو لوگ ایسا کرنا چاہتے ہیں میں اُن کے لیے دعا ہی کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے، یہ لوگ کم عقل ہیں۔

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! اس موقع کو ایک نئے عزم کا موقع ہونے دیں، اُس چیز کو سمجھنے کے لیے جو نبی کریم ﷺ چاہتے ہیں۔ یاد رہے کہ صرف آپ علیہ السلام ہی معلم ہیں، سیدنا غوث الاعظم اور سیدنا امام ابو حنیفہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ تمام آپ علیہ السلام کے نائب (Lieutenants) ہیں۔ آپ علیہ السلام ہی معلم اور دنیا و آخرت میں تمام رحمتوں کا ذریعہ ہیں۔ تو اُن سے اس انداز سے وابستہ ہو جائیں کہ آپ کو اُن کی قدر محسوس ہو اور انہیں آپ سے غم محسوس نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ ہمارے اعمال سے باخبر ہیں:

کیا آپ جانتے ہیں کہ پوری اُمت کے اعمال ہر ہفتہ آپ علیہ السلام پر پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ ہم سب کے اعمال کو ملاحظہ فرماتے ہیں، آپ علیہ السلام اپنے غلاموں سے بے انتہا شفقت فرمانے والے ہیں، اس لیے جب ہمارے اعمال اُن کے حضور جاتے ہوں گے اور وہ اچھے نہ ہوں، تو یہ آپ علیہ السلام کے لیے کتنی تکلیف کا باعث ہوتا ہو گا! جیسا کہ اگر کسی باپ کو معلوم ہو کہ اس کا بیٹا جوئے کا لین دین کرتے ہوئے پکڑا گیا اور پولیس کی تحویل میں ہے، تو اسے کتنی اذیت ہوتی ہو گی! لہٰذا اس کا خیال رکھا کریں! کوشش کریں کہ اپنی زندگی کو آپ علیہ السلام کی سنت کے مطابق ڈھالیں کیونکہ یہ ہی نجات کا راستہ ہے کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے، جو اپنی صدی میں بڑے مفکرِ اسلام گزرے ہیں:

بمصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بو لہبی است

(ترجمہ: اپنے آپ کو مصطفیٰ کریم تک پہنچاؤ کہ وہی سارا دین ہیں، اگر ان تک نہیں پہنچے تو تمام کام بولہبی (بے دینی) ہے)

یعنی مصطفیٰ کریم ﷺ کے قدموں میں چلے جاؤ کہ وہی سارا دین ہیں، اگر تم ان تک نہیں جاتے تو باوجود یہ کہ تم نمازی ہو متقی ہو، پھر بھی تم ابولہب ہو مسلمان نہیں۔۔۔۔6

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

الحمد للہ یہ ترجمہ ۲۹ شوال، ۱۴۳۲ھ، بمطابق ۲۷ ستمبر ۲۰۱۱ء

بروز منگل بوقت عشاء مکمل ہوا۔

(نظرِ ثانی کا کام جمعۃ المبارک، ۱۳ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ، ۱۱۔۱۱۔۱۱ تین بج کر بیس منٹ پر مکمل ہوا۔)

---

6 آڈیو سی ڈی اور تحریری صورت میں اس تقریر کا مواد اتنا ہی میسر ہے، تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مزید کلام محفوظ نہیں کیا جا سکا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

منقبت در شان

پروفیسر ڈاکٹر مولانا حافظ محمد فضل الرحمن الانصاری الاقادری العلیمی رحمۃ اللہ علیہ

کلام: ڈاکٹر عبد المالک کاشف

فضل تھا رحمٰن کا انصار کا تھا خوشہ چین
تھا وہ محبوبِ علیم اور بہترین مسند نشین
تھا وہ پابندِ شریعت اور طریقت کا وقار
تھا صحابہ کا نمونہ، تابعین کا پیروکار
گفتگو تھی دل نشیں وہ تھا خطیبِ باکمال
تھی بلاغت دل پذیر اس کی فصاحت بے مثال
دین کی خدمت ہی رہا اس کا ہمیشہ سے شعار
اس کے علم و فضل کے روشن دیے ہیں بے شمار
مرکزِ اسلامی اس کی عظمتوں کا ہے نشاں
ہے دعا کاشف کی اب دائم رہے یہ کہکشاں

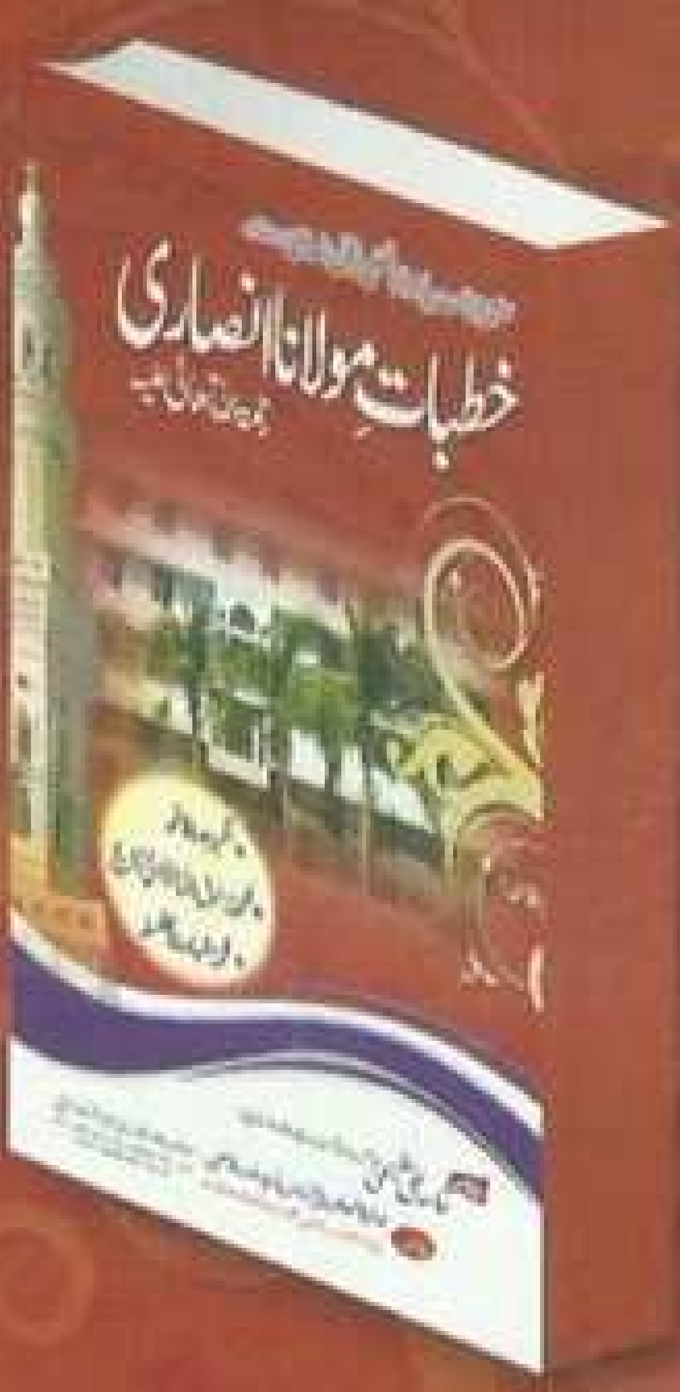

خطباتِ مولانا انصاری